ماھنامہ
صراطِ مستقیم
برمنگھم
August 2023

وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

# صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 43 No. 10 August 2023

Muharram ul Haram/ Safar 1444 AH

جلد: 43 شمارہ: 10 اگست 2023ء

محرم الحرام/صفر: 1444ھ

## فہرست مضامین


| باب | عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|---|
| فکر و نظر | سویڈن میں مصحف کو نذر آتش کرنے کا واقعہ | محمد عبدالہادی | 03 |
| اسلام اور مسلمان | مؤمن کی زندگی انسانیت کا مظہر ہوا کرتی ہے | مولانا محمد عبدالحفیظ اسلامی | 05 |
| ندائے حرم | چغلی اور اس کے اثرات سے بچئے | فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صلاح بن محمد البدیر / محمد عاطف الیاس (فاضل ام القریٰ یونیورسٹی - مکہ مکرمہ) | 07 |
| سیرت صحابہ | صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت عظام کے درمیان قابل رشک برادرانہ تعلقات (قسط 2) | جسٹس صالح عبداللہ | 11 |
| بدعات و رسومات | ماہِ صفر کی حقیقت تاریخ کے تناظر میں | المدینہ اسلامک ریسرچ سنٹر | 17 |
| کرامات صحابہ | صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کرامتیں (قسط 07) | ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی | 20 |
| فقہ و فتاویٰ | سوالات کے جوابات | ڈاکٹر صہیب حسن (لندن) | 22 |
| حدیث و علوم الحدیث | عمدۃ الأحکام، کتاب الصلوٰۃ: اوقاتِ نماز سے متعلق (قسط 30) | فضل الرحمٰن حقانی، خطیب و امام محمدی مسجد نیلسن یو کے | 24 |
| فقہی مسائل | انسان پر گناہوں کے بد اثرات | آپا رضیہ مدنی (اسلامک انسٹیٹیوٹ، لاہور) | 26 |
| آپ بیتی | گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را (قسط 18) | ڈاکٹر صہیب حسن (لندن) | 35 |
| تاریخ | تاریخ اہل حدیث | ڈاکٹر بہاؤ الدین | 38 |




Correspondence Address:
SIRAT-E-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk

(نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں)

سویڈن کے دارالحکومت اسٹاک ہوم میں واقع جامع مسجد کے سامنے عید الاضحیٰ کے مبارک دن 28 جون 2023ء قرآن مجید کی کاپی نذر آتش کرنے کا ایک دلخراش واقعہ پیش آیا، اس مذموم حرکت کے خلاف مسلم دنیا میں سخت بے چینی پھیل گئی، مختلف مظاہرے ہوئے، ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے، اسلامی ممالک نے اس پر احتجاج کیا، اخبارات، مجلات، مقامی اور عالمی خبروں میں اس خبر کو نمایاں حیثیت دی جا رہی ہے، بعض ممالک میں موجود سویڈن کے سفارتی نمائندوں کے ذریعہ اپنے جذبات پہنچائے گئے، بعض سیاسی رہنماؤں نے اس حادثہ کو ایک موقع کے طور پر استعمال کیا، روسی صدر پیوٹن نے قرآن مجید کی کاپی اپنے سینہ سے لگا کر مسلمانوں کے ساتھ جذبہ خیر سگالی کا اظہار کیا، ان کی یہ تصویر مثبت اور منفی مختلف تبصروں اور تجزیوں کے سے شائع ہوئی، ترکی کے صدر اردگان نے سویڈن اور مغربی ممالک کے اسلام اور شعائر اسلام کے ساتھ دوغلی پالیسیوں کے خلاف کاروائی کا عندیہ دیا۔

ہوا یوں کہ سلوان مومیکا نامی 37 سالہ عراقی شخص جو مذہبی اعتبار سے عیسائی ہے۔ ایک عرصہ تک عراق میں کتائب روح اللہ عیسی بن مریم کا ممبر تھا جو ایرانی شیعی گروہ کی. پشت پناہی سے دہشت گردانہ کاروائیوں میں ملوث رہا اور جب حالات اس کے خلاف ہونے لگے کسی طرح عراق سے فرار ہو کر سویڈن پہنچا، یہ بہت ہی تلخ حقیقت ہے کہ عرب ممالک اور مسلم ممالک صومالیہ، افغانستان اور پاکستان وغیرہ وغیرہ سے لوگ معاشی اور معاش کی تلاش میں مغربی یورپ پہنچتے ہیں، لیکن عام طور پر ایسے نہیں ہوتا کہ مغربی ممالک سے مسلم اکثریتی یا عرب ممالک پہنچیں، سویڈن ان میں سے ایک ایسا یورپی ملک ہے، جہاں امیگریشن کے قوانین میں نسبتاً نرمی پائی جاتی ہے، سیاسی پناہ کا حصول آسان ہے۔ یہاں ویزا اور مالی مراعات حاصل کرنے کے لئے مختلف اخلاقی اور غیر اخلاقی ہتھکنڈے آزماتے ہیں، کوئی قادیانی بن جاتا ہے، کوئی نصرانیت قبول کرنے کی بات کرتا ہے، کسی کو جنس پرستی کا سہارا لینا پڑتا ہے اور مذہبی جذبات کے ساتھ کھلواڑ کرتا ہے، انہیں یہاں کی دائیں بازو کی سیاسی جماعتیں بھی اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے خوب استعمال کرتی ہیں۔

اطلاعات کے مطابق سلوان مومیکا عراقی نے اسٹاک ہوم کی مین جامع مسجد کے سامنے مظاہرہ ترتیب دینے دینے کی اجازت طلب کی، پولیس نے نقص امن کے خدشہ کے باعث اجازت نہیں دی پولیس کے فیصلہ کے خلاف وہ عدالت میں چلا گیا، مقامی عدالت نے آزادئ اظہار رائے کے نام پر اجازت دے دی یعنی قرآن مجید کا نسخہ جلانے کی قانونی اجازت کہ ملکی قوانین کے اعتبار سے اس پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی، یہ اور بات ہے کہ

اسی سویڈش قانون کے لحاظ سے لوگوں کے خلاف نفرت پھیلانا قابل مواخذہ جرم ہے۔ یہ ایک ایسا ملک ہے جہاں الحاد اور بے دینی زیادہ ہے، ایک عرصہ تک وہاں کی آبادی میں مقامی باشندے ہی زیادہ تھے، بتدریج مختلف مذاہب اور تہذیبوں کے افراد شامل ہوتے گئے لیکن ملکی قوانین ابھی تک قدیم چلے آرہے ہیں ان میں ترمیم کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ خود وہاں کے سیاسی اور سماجی رہنماؤں نے اس کے متعلق اظہار خیال کیا، اس دین بیزار ماحول میں مذہبی جذبات، دین اور عقیدہ کو بہت ہی جزوی حیثیت دی جاتی ہے۔ مذکورہ دلخراش واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے ملکی وزیر اعظم نے اظہار افسوس کیا۔ ساتھ ہی اپنے ملکی قوانین کا دفاع بھی کیا کہ قانون میں اس کی اجازت ہے کہ کوئی کسی کی مذہبی کتاب نذر آتش کرنا چاہے تو ہم اسے روک نہیں سکتے بلکہ اسے قانونی تحفظ حاصل ہوگا لیکن جب مختلف ممالک کا دباؤ بڑھنے لگا تو اس مسئلہ میں نئی قانون سازی یا ترمیم کا عندیہ دیا۔

تجربہ یہ بتاتا ہے کہ

مغربی ممالک اپنا تجارتی نقصان برداشت نہیں کرتے جیسے پڑوسی ملک ڈنمارک میں کارٹون کے مسئلہ میں ابتدائی موقف اختیار کیا گیا تھا کہ اخبارات کیا چھاپتے ہیں اس میں حکومت مداخلت نہیں کرتی کیونکہ ہم اظہار خیال کی آزادی کے علمبردار ہیں اور جب اس کے جواب میں مسلم ممالک نے ڈینش اشیاء کی خرید و فروخت کے بائیکاٹ کا اعلان کیا پھر یومیہ کروڑوں ڈالر کا نقصان ہونے لگا تو اپنے موقف میں لچک دکھاتے ہوئے مقامی اور عالمی اخبارات میں بڑے بڑے اشتہارات اور مضامین اسلام کی تائید اور اپنی حرکت پر معذرت کے شائع کروائے، گویا تجارتی اور مالی نقصان کے بعد مزعومہ آزادی پر قدغن لگائی گئی۔

قرآن مجید کی کاپی کو مسجد کے سامنے آگ لگانے کا واقعہ عین عید کے دن جبکہ مسلمانوں کی بڑی تعداد جمع ہوتی ہے یہ خود ایک اشتعال انگیز کاروائی تھی،

اسی لیے متوقع خطرہ کے پیش نظر اس مجرم کی حفاظت کے لیے پولیس کے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ اگرچہ کہ مقامی مسلمانوں نے غم وغصہ کا اظہار کرے ہوئے کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی، البتہ مجرم سلوان اس گستاخی کے بعد خود کو غیر محفوظ محسوس کرنے لگا، اسے کہتے ہوئے سنا گیا کہ

میرے لیے خطرات بڑھ گئے ہیں ، مقامی پولیس میری سکیورٹی پر زیادہ توجہ نہیں دے رہی ہے۔ لگتا ہے کہ جو تنظیمیں اسے ورغلا رہی تھیں اب وہ بھی اس سے دوری اختیار کر رہی ہیں اور جن کی بیساکھیوں پر وہ اس جرم کا مرتکب ہوا تھا، شاید انہوں نے اپنی بیساکھیاں بھی کھینچ لیں۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

اس نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ 10 روز بعد عراقی سفارتخانہ کے سامنے ایک اور نسخہ نذر آتش کرے گا لیکن شاید دوبارہ اس کے لیے یہ حرکت اتنی آسان نہیں ہوگی۔ کیونکہ مقامی آبادی کی اکثریت سمجھنے لگی ہے کہ یہ اشتعال انگیز کارروائی اور غلط اقدام تھا، لہٰذا مجرم خود کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے انجانے خوف سے دوچار ہے۔

اس نصرانی کے خلاف مختلف لوگوں نے اظہار خیال کیا لیکن حیرت ہے کہ

کسی نے اس کے لیے دہشت گرد، انتہاء پسند وغیرہ کے القاب نہیں استعمال کئے، شاید اس لیے کہ مجرم مسیحی ہے اور مذکورہ اصطلاحات اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اگر اس سے کم درجہ کی حرکت کسی مسلمان سے سرزد ہوتی تو میڈیا اسے جن خطابات سے نوازتا وہ واضح ہے، کیونکہ دیکھا گیا کہ اگر جرم کسی مسلمان سے سرزد ہو تو سب سے پہلے اس کے مذہب کا تذکرہ کرتے ہوئے دہشت گرد، دہشت پسند، بنیاد پرست اور انتہاء پسند کے لیبل لگا کر اس کے جرم کو اسلام کے ساتھ جوڑا جاتا ہے اور اگر اسی نوعیت کی کاروائی کوئی غیر مسلم کرے، خصوصاً نصرانی تو اس موقع پر دو قسم کے عذر تراشے جاتے ہیں یا تو یہ کہ اس کی دماغی حالت درست نہیں یا نشہ کا اثر تھا۔ یوں آپ کے جرم کو ہلکا کر کے پیش کیا جاتا ہے۔

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامۂ سیاہ میں تھی

ایسے واقعات گو کہ تکلیف دہ ہیں لیکن اہانت قرآن مجید کا یہ نہ پہلا واقعہ ہے اور نہ ہی آخری۔ ان مجرموں کے لیے قانون قدرت اٹل ہے۔

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۚ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ﴾ (سورہ ابراہیم: 42)

”ظالموں کے غلط کاموں سے اللہ تعالی کو غافل نہ سمجھو، وہ تو انہیں اس دن تک مہلت دیئے ہوئے ہے جس دن آنکھیں حسرت اور پچھتاوے کے سبب پھٹی رہ جائیں گی۔“

اس لیے ردعمل میں جذبات سے زیادہ دانشمندی کی ضرورت ہوتی ہے، بھلا ہو کویت کا کہ

انہوں نے احتجاج اور مظاہروں کے بجائے یہ اعلان کر کے عقلمندی کا ثبوت دیا کہ ہم سویڈش زبان میں ترجمہ قرآن مجید کی ایک لاکھ کاپیاں مفت تقسیم کریں گے۔ ماشاءاللہ

کیا معلوم کہ اس کا مطالعہ کتنوں کے دلوں پر دستک دے اور بند گرہیں کھولنے کا سبب بنے، اور ان ہی میں سے کچھ متلاشیان حق حلقہ بگوش اسلام ہو کر تعلیمات قرآن کے محافظ بن جائیں جیسے اس سے پہلے بھی کئی لوگ مخالفت کے طوفان سے نکل کر میدان دعوت کے سپاہی بن چکے ہیں۔

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

متحدہ ہندوستان میں آریہ سماج کے ایک شخص راجپال نے رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے خلاف رنگیلا نامی کتاب شائع کروائی، اس زہر افشانی کے خلاف مسلم کمیونٹی میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی، عوام مختلف انداز سے ردعمل کا اظہار کر رہے تھے۔

اس وقت مشہور عالم دین مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے مقدس رسول نامی کتاب لکھ کر علمی اور تحقیقی حلقوں کو بیش بہا تحفہ دیا۔

اس بروقت سنجیدہ جواب کو وقت کے مشہور اہل علم اور دانشوروں نے بہت سراہا۔ احتجاج اور اشتعال انگیز بیانات کی چنگاریاں تو وقت کے ساتھ دب گئیں، مگر مولانا امرتسری رحمہ اللہ کا مثبت جواب آج بھی تشنگان علوم سیرت کی پیاس بجھا رہا ہے۔

☆☆☆

شیخ محمد عبد السلام شقیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”بعض جہلاء ماہ صفر کی آخری بدھ کو آیات سلام یعنی (سلام علی نوح فی العالمین) لکھ کر پانی کے برتنوں میں ڈال دیتے ہیں پھر اس کو پیتے ہیں اور برکت حاصل کرتے ہیں ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس کے پینے سے تمام برائیاں اور آفتیں دور ہو جائیں گی یہ باطل عقیدہ، خطرناک بدفالی لینا اور قبیح بدعت ہے اس برائی کے دیکھنے والے پر اس کی نکیر کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔“

(السنن والمبتدعات للشقیری : 111-112)

☆☆☆

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اسلام کو پروان چڑھانے کیلئے سب سے بڑا عنصر کردار و اخلاق کا رہا ہے۔ دشمنان اسلام کا یہ الزام کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے، یہ ان لوگوں کی ذہنی اختراع اور اسلام سے بغض وعداوت کی کھلی دلیل ہے لیکن بعض اوقات اسلام کی روح اور اس کے منشاء اور نبی محترم محمد ﷺ کی تعلیمات سے ناواقف مسلم بھائیوں کی غلط روش کو دیکھ کر غیر لوگ اس کا استحصال کیا کرتے ہیں اور مذہب اسلام کو بدنام کرنے کی انہیں ایک شہ مل جاتی ہے۔ لہٰذا یہ لوگ راست طور پر اسلام کو نشانہ بناتے ہیں۔

اس سلسلہ میں اسلام دشمن صحافت اور حکومتیں ان کا بھرپور تعاون کرتیں ہیں ۔ لہٰذا دشمنان اسلام کی فضول بکواس کا جواب دینے کیلئے اس کا علاج صرف یہی ہے کہ ملت اسلامیہ کے وہ افراد جن کی کمزوری کی بناء پر غیروں کو جو موقع ہاتھ آ رہا ہے اس کی طرف توجہ کریں اور ملت کا ہر فرد اپنی اصلاح اور اپنے بھائیوں کی صالح تربیت کی فکر کرے۔

ملت اسلامیہ کی سربلندی اس بات میں مضمر ہے کہ اس کے ماننے والوں کے اندر سے وہ تمام خامیاں، خرابیاں کوتاہیاں دور ہوں، جو ایک صالح معاشرے کیلئے ضروری ہوا کرتی ہیں کیونکہ جب تک فرد کی اصلاح نہیں ہوتی، صالح معاشرے کا فقدان رہا کرتا ہے۔

ان حالات میں ملت اسلامیہ کے افراد کو اپنا بھولا ہوا سبق پھر پڑھنا ہوگا اور اچھی طرح یاد بھی کرلینا ہے کہ ہم کہاں تھے اور کس منصب پر فائز کئے گئے تھے اور ہماری کیا کیا ذمہ داریاں تھیں، جنہیں ہم بھول بیٹھے۔

تو آیئے قارئین! سب سے پہلے ہم اسلام کے سرچشمہ ہدایت قرآن پر نظر ڈالیں:

قرآن حکیم کے سورۃ آل عمران کی آیات نمبر 110 میں اللہ تبارک تعالیٰ امت مسلمہ کے وجود میں لائے جانے کا مقصد اور ان کی ذمہ داری کی طرف نشاندہی کرکے یہ فرمارہا ہے کہ تم کو ایک اعلیٰ مقصد کیلئے اٹھایا گیا ہے، اب تمہارا کام یہ ہونا چاہئے کہ تم لوگوں کو بھلی بات کا حکم کرو اور بری باتوں سے روکو، آیت مبارک کی ترجمانی یوں ہے۔ اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدیت اور اصلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ہم دنیا میں بہترین گروہ اس وقت ہوں گے جبکہ ہم نیکی کا حکم اور حق کی تلقین کرنے لگ جائیں اور بہترین گروہ ہونے کا تقاضہ یہ بھی کہ ہم برائیوں کا خاتمہ کرنے کی مقدور بھر کوششیں کریں۔

ظاہر بات ہے کہ ہم کو اس وقت تک نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کا احساس نہیں ہوگا، جب تک کہ ہم خود اس پر عامل نہ ہوجائیں چونکہ مؤمن کی پوری زندگی اسلام کی سچائی اور حقانیت کی مظہر ہوا کرتی ہے یعنی جو مؤمن ہوتا ہے اس کا اظہار اس کے شب وروز کے طرز عمل سے ہوتا ہے۔

غرض کہ ہمارے اخلاق ہمارے کردار ہماری گفتگو ہمارے کاروبار، لوگوں سے ہمارا سلوک الغرض ہماری زندگی کے ہر شعبہ سے حق و انصاف کا ظہور ہونے لگے اور ہمارے قول و عمل میں کسی قسم کا کوئی تضاد پایا نہیں جانا چاہئے چونکہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ ہر چیز کو پہلے ظاہری طور پر دیکھتا ہے اگر اسے ان چیزوں میں خوبیاں نظر آتی ہیں تو اس کے قریب ہوتا ہے اگرچہ کہ اسلام کی خوبیاں ایک حقیقت ہیں اور اسلام اپنے اندر بذات خود ایک بہترین کشش رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بھی یہ سنت رہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمانے سے قبل ان کے اندر وہ مؤمنانہ صفات اور بہترین اخلاق و کردار پیدا فرماتا ہے۔ یعنی انبیاء کی تاریخ رہی ہے کہ ان کے اندر شروع سے وہ خوبیاں پائی جاتی ہیں جو نہایت ہی ضروری ہیں۔

ٹھیک اسی طریقہ سے اللہ کے محبوب اور آخری نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کے اندر بھی وہ تمام خوبیاں اعلان نبوت سے قبل بھی پائی جاتی تھیں۔

یہی وجہ ہے کہ عرب کے اس مشرکانہ وباغیانہ ماحول میں جبکہ ابھی آپ ﷺ کے اخلاق و کردار اور آپ ﷺ کے حسن سلوک اور آپ ﷺ کی گفتگو کا انداز اور آپ ﷺ کی معاملہ فہمی کو دیکھ کر مشرکین، آپ ﷺ کو امین و صادق کے القاب سے یاد کرتے۔

غرضیکہ سرکار دوعالم ﷺ نے نبوت کے اس اونچے منصب کے اعلان سے قبل اپنے کردار کا مظاہر فرمایا لہٰذا ہم مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ سب سے پہلے ہم اپنے کردار کا جائزہ لیں کیونکہ جہاں پر حسن اخلاق وکردار خود ایک مسلمان کیلئے مؤمنانہ صفات میں ارتقاء کا سبب ہے وہیں پر اسلام کے فروغ کیلئے معاون

ومددگار بھی ثابت ہوا کرتے ہیں، لہٰذا اب اہل ایمان پر ساری دنیا میں یہ ذمہ داری ہے جنہوں نے دین اسلام کو دین حق، دین رحمت سمجھ کر قبول کیا ہے، اس کی گواہی اپنے قول و فعل کے ذریعہ سارے بندگان خدا کے سامنے پیش کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم جس دین رحمت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں لیکن ہمارا عمل ہماری گفتگو، ہمارے کردار، ہمارے اخلاق، ہمارے دعوے اور ہماری دعوت کے برخلاف ہوں، اگر ایسا ہوا تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام کی سربلندی اور اس کے غلبہ اور اقامت دین رحمت کی راہ میں ہم خود سب سے بڑی رکاوٹ بن رہے ہیں۔

اسلامی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بہترین کردار، اخلاق ومعاملات نے ایک تھوڑے سے عرصہ میں بہترین نفوس پر مشتمل ایک ایسی صالح جماعت تیار کی جو ساری دنیا میں قیامت تک کیلئے بہترین نمونہ ہے۔

اب اس وقت مسلمانوں کیلئے کرنے کے کام یہ ہیں کہ اللہ کی کتاب کے ذریعہ اسے اپنا لائحہ عمل بنائیں اس کے مضامین پر غور کریں اور اسی کو دستور حیات مانیں۔ یہ بات بہت ہی اہم اور لائق قدر ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے علمائے کرام نے مقامی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کئے ہیں صرف تراجم ہی نہیں بلکہ اس کی تفہیم و تفسیر بھی کی جاچکی ہے اور یہ ان بزرگ حضرات کا ملت پر ایک احسان عظیم ہے۔

لہٰذا اس سے استفادہ کریں اور نبی کریم ﷺ کی احادیث شریفہ کو اس کے معنی و مفہوم کے ساتھ اچھی طرح ذہن نشین کریں جو قرآن کو سمجھنے میں ہمارے لئے یقیناً معاون و مددگار ثابت ہوں گی اور حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھنا ممکن نہیں۔

مختصر یہ کہ قرآن و حدیث یہ 2 چیزیں ایسے ہیں کہ آدمی کو سیدھی راہ متعین کرنے میں مدد کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں اپنے اخلاق و معاملات کو سنوارنے کیلئے سیرت نبی ﷺ کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کریں جو ہماری زندگی میں صالح انقلاب لانے کیلئے ضروری ہے۔ اس کے بغیر نہ تو اقامت دین کا تصور کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی صالح ریاست کی تشکیل ممکن ہے۔

جیسا کہ میں اپنے مضمون کے آغاز میں اشارہ کرچکا ہوں کہ

ہمارے مسلم بھائیوں کی اکثریت دین اسلام کا غلط نمونہ اپنے حال و قال سے پیش کرتی ہے جس کی معقول وجہ یہ ہے کہ ان کی اکثریت دین اسلام کے صحیح تصور سے ناواقف ہے یا تو انہیں واقف نہیں کروایا گیا یا پھر دین کا ایک مختصر خاکہ ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ اب ہمارے سامنے ملت اسلامیہ کے تین طبقہ پائے جاتے ہیں:

**الف:** یہ کہ دین سے بالکل ہی کورے۔

**ب:** یہ کہ دین اسلام کے دائرہ کو محدود کرتے ہوئے چند فرائض و واجبات پر قائم ہو کر اس کو مکمل دین سمجھنے والے۔

**ج:** یہ کہ دین رحمت کا وسیع تصور عوام الناس کے سامنے پیش کرنے والے۔

لیکن اول الذکر گروہ جو ایک بڑی اکثریت پر مشتمل ہے اور دنیا انہیں کو دیکھ کر اسلام سے متنفر ہورہی ہے لہٰذا ضرورت اس وقت اس بات کی محسوس کی جاتی ہے کہ جہل میں پڑے اکثریت میں پائے جانے والے مسلمان بھائیوں کی طرف اولین اور ترجیحاً توجہ مرکوز کی جائے تاکہ اسلام کی بگڑی ہوئی تصویر پھر اس کی اصلی شکل وصورت میں ظاہر ہو سکے اور اس کے محاسن کو دیکھ کر لوگ اس کی طرف کھینچے کھینچے دوڑ چلے آئیں۔

اس کیلئے اولین شرط یہ ہے کہ جو لوگ دین کی خدمت کرنا چاہتے ہیں (مگر محدود تصور دین رکھتے ہیں) انہیں چاہئے کہ اپنے تصور دین کا دائرہ تھوڑا وسیع کریں اور مکمل تصور دین رکھنے والوں کا ساتھ دیں یا کم سے کم مخالفانہ ذہن ختم کردیں۔

اور یہ بات بھی بڑی قابل غور اور قابل عمل ہے کہ جو لوگ دین کے مکمل تصور کے ساتھ میدان عمل میں ہیں انہیں بھی چاہئے کہ یہ جس دین رحمت کی دعوت عوام الناس کو دے رہے ہیں وہ خود کہاں تک اس پر عمل پیرا ہیں؟

کیونکہ داعی دین کی ہر ایک حرکت جو ان کے شب روز سے ظاہر ہوتی رہتی ہے لوگ ان پر گہری نظر رکھتے ہیں اور یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ داعی باعمل کی بات اثر و نفوذ کر جاتی ہے۔

☆☆☆

### وفیات

سابق ناظم اعلیٰ حافظ حبیب الرحمٰن حبیب کے ماموں محمد انور عرف بھولا گزشتہ دنوں جہلم میں وفات پاگئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحوم بہت خوبیوں کے مالک تھے، اللہ کریم انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل بخشے۔ آمین ثم آمین

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

☆☆☆

**محمد اکرم جنجوعہ کی ہمشیرہ وفات پاگئیں!**

ڈڈلی جمیعۃ کے جناب محمد اکرم جنجوعہ اور ظفر اقبال جنجوعہ کی ہمشیرہ صاحبہ تصویر بیگم 70 سال کی عمر میں ناڑ کوٹلی آزاد کشمیر میں وفات پاگئیں۔ جامع مسجد ڈڈلی میں ڈاکٹر عبدالرب ثاقب نے ان کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی۔ دعا ہے کہ اللہ کریم مرحومہ کو جنت الفردوس میں داخل فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل بخشے۔ آمین

**پہلا خطبہ**

ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے، جس نے ہمیں عافیت نصیب فرمائی، ہمیں ہر نیکی اور بھلائی عطا فرمائی، چغل خوری کے پیچھے لگنے سے منع کیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہی وہ گواہی ہے جو ہمیں دنیا و آخرت میں سرخرو کر سکتی ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کی سنت سے ہمیں راستہ دکھایا۔ اللہ کی رحمتیں ہوں آپ ﷺ پر، اہل بیت پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، ایسی رحمتیں، جن کی بدولت ہماری فکریں اور پریشانیاں ختم ہو جائیں، جو کچھ اللہ نے ہمیں دیا اور عطا فرمایا ہے، اس میں ہمیں برکت مل جائے۔ ان سب پر بہت سلامتی بھی نازل ہو!

بعد ازاں! اے مسلمانو! اللہ یوں ڈرو جیسے اسے یاد رکھنے والا اور اس سے ملنے کے لیے تیار رہنے والا ڈرتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (سورۂ آل عمران: 102)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“

اے مسلمانو! پاکیزہ نفس فضیلتوں اور بڑائی کے کاموں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جبکہ ناقص عقلیں خبیث اور بے حیثیت کاموں کا رخ کرتی ہیں۔ جو فضیلتیں جمع نہ کر پائے، اسے برائیوں کو ترک کرنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔ ایک برائی لوگوں میں چغلی کرنے کی ہے۔ چغل خوری بیمار نفسوں، بری فطرت والوں، اور بیچ روحوں کا کام ہے، جنہیں لوگوں کے پردے چاک کرنے میں بڑا مزا آتا ہے، رازوں کو فاش کرنے میں لطف محسوس ہوتا ہے۔

ترى الناسَ يُفشون النمائمَ بينَهم
وعندَ ذوي التقوى تموتُ النمائمُ

”تم دیکھتے ہو کہ لوگ چغلیوں کو پھیلاتے چلے جاتے ہیں، مگر جب وہ پرہیز گاروں تک پہنچتی ہیں، تو مر جاتی ہیں۔“

چغلی اس نقل کردہ بات کو کہتے ہیں جسے ایک محفل سے دوسرے میں منتقل کیا جاتا ہے، جسے لوگ ایک دوسرے سے نقل کرتے ہیں، جماعتیں ایک دوسرے سے سن کر آگے بڑھاتے ہیں، جس کا مقصد لوگوں کو لڑانا، تخریب کاری کرنا، ان کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانا، ان میں نفرت پیدا کرنا، انہیں ابھارنا اور فساد برپا کرنا ہوتا ہے۔

لقد ألّب الواشون ألبًا لبينهم
فتُربٌ لأفواهِ الوشاةِ وجندلُ

”چغل خوروں جدائیاں پیدا کرنے کے لیے لوگوں کو بھڑکایا، ان چغل خوروں کے منہ خاک آلود ہوں۔“

چغلی ایک سنگین گناہ ہے، جلا دینے والی آگ ہے، ایک بڑا گناہ ہے، اسے نقل وہی کرتا ہے جس کا دین کمزور ہو، جس کے دل میں امانت داری ختم ہو چکی ہو اور جس کی خیانت ظاہر ہو چکی ہو۔ اسے کرنے والے بد ترین لوگ ہوتے ہیں، کیونکہ اس سے دلوں میں فساد پیدا ہوتا ہے اور نفس بے رونق ہو جاتے ہیں، دلوں میں غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور عقلوں میں غلط سوچیں آتی ہیں، نفرت، کدورتیں اور جھگڑے عام ہوتے ہیں۔

ومَنْ يُطِعِ الواشينَ لا يتركوا له
صديقًا وإن كان الحبيبَ المقرّبَا

”جو چغل خوروں کی بات مانے گا، وہ اس کے ساتھ کسی دوست کو نہیں رہنے دیں گے، چاہے وہ محبوب ہی کیوں نہ ہو۔“

چغلی، دشمنی کا چاند ہے۔ برائی کا پل ہے، فتنے کا بٹن ہے، بہتانوں کی زبان ہے، یہ بدبختوں کا اسلحہ ہے، خبیثوں کی آماجگاہ ہے، غداری، مکاری اور شر کی حکومت ہے۔

حقیقت میں اس سے راز فاش ہوتے ہیں، پردے ہٹتے ہیں، ساتھیوں سے خیانت ہوتی ہے، ان کے ساتھ برائی کا ارادہ ہوتا ہے اور مسلمانوں کو اذیت دینے پر خوشی ہوتی ہے۔

اے مسلمانو! مسلمانوں میں چغلیاں، سنسنی خیز افواہیں اور جھوٹی خبریں پھیلانا منافقین کی علامت ہے۔ بلندی اور عزت والا ان کے بارے میں فرمایا:

﴿لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ﴾ (سورۃ التوبہ: 47)

”اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو تمہارے اندر خرابی کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے وہ تمہارے درمیان فتنہ پردازی کے لیے دوڑ دھوپ کرتے، اور تمہارے

گروہ کا حال یہ ہے کہ ابھی اُس میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو اُن کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں۔"

آیت میں فرمایا:

﴿وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ﴾ (سورۃ التوبہ:47)

"دوڑ دھوپ کرتے۔"

یعنی: چغلیاں کرتے اور مسلمانوں کو رسوا کرنے میں تیزی دکھاتے، ان میں فتنہ پھیلنے کے خواہاں ہوتے، ان کے اتحاد کو ختم کرتے، ان کے اتفاق کو پاش پاش کرتے، محبت و وحدت میں بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کرتے، فتنہ کو بھڑکاتے، بے تابی پھیلاتے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے۔ اسی طرح آیت میں فرمایا:

﴿وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ﴾ (سورۃ التوبہ:47)

"تمہارے گروہ کا حال یہ ہے کہ ابھی اُس میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو اُن کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں۔"

یعنی: آپ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کی بات سنتے اور مانتے ہیں، چغل خور بھی ہیں، جاسوس بھی ہیں جو آپ کی خبریں ان تک پہنچاتے ہیں۔

بھلا کیسے ممکن ہے کہ خونریزی ہو جائے، عزتیں پامال ہو جائیں، اموال لوٹ لیے جائیں اور معاملات بگڑ جائیں، اور ان سب کے پیچھے چغلی موجود نہ ہو؟!

چغلی کو چھوڑ دو، کیونکہ اس کی ابتدا زہر ہے اور انجام افسوس ہے۔ بہت سے پیارے جدا ہو گئے، کتنے تعلق دار الگ ہو گئے، کتنے پیارے دور ہو گئے، کتنے ساتھی تعلق توڑ بیٹھے، کتنے جوڑے طلاق یافتہ ہو گئے، صرف کسی چغل خور کی ایک چغلی کی وجہ سے۔ تباہی ہو چغلیوں کی، تباہی ہو چغلیوں کی۔ چغلی کی برائی، حقارت اور خرابی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اسے وہی شخص استعمال کر سکتا ہے جو خود حقیر اور بے قیمت ہو۔

ومن شر أخلاق الرجال نميمة

متى ما تبع يومًا بها العرض ينفق

چغلی بدترین اخلاق ہے، جب یہ عزت کے پیچھے پڑتا ہے تو اسے تباہ کر چھوڑتا ہے۔

جس شخص کی چغلیاں پھیل جاتی ہیں، زہر عام ہو جاتا ہے، سانپ اور چالیں ہر جگہ نظر آنے لگتی ہیں، اگر اسے معلوم ہو کہ اس نے اپنا اور اپنے دوستوں، ساتھیوں اور ہم عمروں کو کتنا نقصان کیا ہے، تو اسے یقین ہو جائے کہ اس کے اس کام سے بہتر یہ تھا کہ وہ بہرا ہو جاتا، اس صورت میں وہ زیادہ سکون میں رہتا، نہ چغلی کرتا اور نہ اسے آگے بڑھاتا۔

سیدنا حذیفہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ" (متفق علیہ)

"کوئی چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔"

امام مسلم کے الفاظ میں ہے:

"لا يدخلُ الجنةَ نمّامٌ"

"کوئی چغل خور جنت میں نہیں جائے گا"

سیدنا ابن عباس بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ یا مکہ مکرمہ کی ایک دیوار کے پاس سے گزرے تو انہیں دو قبروں میں سے عذاب کی آوازیں آنے لگیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ"

"انہیں عذاب دیا جا رہا ہے اور ان کا عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں ہے۔"

پھر فرمایا:

"بَلَى، كَانَ أَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَكَانَ الْآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ" (متفق علیہ)

"بلکہ ان کا گناہ بڑا ہی تھا، ایک تو قضائے حاجت کرتے وقت پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا، جبکہ دوسرا چغلی کرتا تھا۔"

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أَلَا أُنَبِّئُكُمْ مَا الْعَضْهُ؟"

"کیا میں آپ کو نہ بتاؤں کہ جادوئی بہتان کیا ہے؟"

پھر فرمایا:

"هِيَ النَّمِيمَةُ الْقَالَةُ بَيْنَ النَّاسِ" (صحیح مسلم)

"چغلی، یعنی لوگوں میں باتوں کو نقل کرنا۔"

عَضْہ، یا عَضَہ، یا عِضَہ اس چغلی اور جھوٹ کو کہتے ہیں جو لوگوں کے تعلقات بگاڑنے کی غرض سے کی پھیلایا جاتا ہے، زید اور عمرو کی باتیں ایک دوسرے تک پہنچائی جاتی ہیں۔ غور کیجیے کہ چغلیوں نے لوگوں کے حال کیسے بدل دیئے ہیں، خلوص کی جگہ اب دوریاں ہیں، رحمت کی جگہ اب حرص ہے، ایک دوسرے کی مدد کی جگہ اب جھگڑا ہے، محبت کی جگہ اب فرقہ بازی ہے، یہاں تک کہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور لڑنے لگے، باتوں اور ہاتھوں سے جھگڑنے لگے، ایک دوسرے کو مارنے لگے اور ایک دوسرے سے منہ پھیرنے لگے۔ نہ تو وہ اپنی عزتوں کا خیال کرتے ہیں اور نہ حق کی پابندی کرتے ہیں، اس طرح وہ دشمنوں کے لیے مذاق بن گئے، اور جاہل بھی انہیں گالیاں دینے لگے۔

اے مسلمانو! عقلمند اور دانا شخص کبھی کسی جھوٹے، فتنہ باز اور چغل خور کی باتوں میں نہیں آتا، جو اس کے دل میں کدورتیں اور نفرتیں پیدا کرنا چاہتا ہو۔

بلندی اور عزت والے کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (سورۃ الحجرات:6)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر

اپنے کیے پر پشیمان ہو"[الحُجُرات:6]

فلا بالله لا تسمع حديثًا
ينمقه الحواسد بافتراء
أُعيذُكَ أن تصدّق قولَ واشٍ
وأن تمشي على غير استواء

اللہ کے لیے ایسی باتوں پر کان نہ دھرنا، جسے حاسدوں نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ گھڑا ہو، میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، کہ تم کسی چغل خور کی باتوں میں آؤ، یا گمراہی کے راستے پر چلو۔

بلندی اور عزت والے کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينٍ * هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ * مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ﴾ (سورۃ القلم:10-12)

"ہرگز نہ دبو کسی ایسے شخص سے جو بہت قسمیں کھانے والا بے وقعت آدمی ہے۔ طعنے دیتا ہے، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔ بھلائی سے روکتا ہے، ظلم و زیادتی میں حد سے گزر جانے والا ہے، سخت بد اعمال ہے، جفاکار ہے۔"

لوگوں میں چل پھر کر چغلیاں کرنے والوں کی باتوں میں نہ آؤ، جو تعلقات کو بگاڑنے کی کوشش میں رہتے ہیں، جو پیاروں کو دور کر دیتے ہیں، ہمسایوں کے درمیان فتنے کی آگ بھڑکا دیتے ہیں۔

مِلْ عن النمام واهجره فما
بلّغ المكروهَ إلا مَنْ نَقَلْ
وتغافَلْ عن أمور إنّه لم
يفز بالحمد إلا مَنْ غَفَلْ
ليس يخلو المرء من ضد ولو
حاوَلَ العزلةَ في رأس الجبَلْ

"چغل خور کو چھوڑ دو، اس سے دور ہو جاؤ، کیونکہ برائی کو نقل کرنے والا ہی حقیقی مجرم ہے، تجاہل عارفانہ سے کام لو، کیونکہ، جانتے ہوئے تجاہل برتنے والے ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ کوئی شخص مخالفت سے پاک نہیں رہتا، چاہے وہ کسی پہاڑ کی چوٹی میں عزلت پسندی میں ہی کیوں نہ رہنے لگے۔"

جس کے پاس چغلی کی جائے یا اسے کہا جائے کہ فلاں تمہارے بارے میں یہ کہتا ہے، تو اس پر چھ چیزیں لازم آتی ہیں:

**پہلی یہ کہ** وہ اس بات کو سچ تسلیم نہ کرے، کیونکہ چغل خور فاسق ہوتا ہے اور اس کی بتائی ہوئی خبر قابل تحقیق ہوتی ہے۔

**دوسری یہ کہ** وہ اسے اس گناہ سے روکے اور اسے بتائے کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے۔

**تیسری یہ کہ** وہ اللہ کے لیے اس چغل خور سے نفرت کرے،

**چوتھی یہ کہ** جس کی بات نقل کی جا رہی ہو، اس کے بارے میں بدگمانی نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ﴾

"بہت زیادہ گمان سے بچو۔" (سورۃ الحجرات: 12)

پانچویں یہ کہ اس چغلی کی بنا پر وہ جاسوس یہ ٹوہ لگانے کی کوشش نہ کرے۔

چھٹی یہ کہ جس چیز سے اس نے چغل خور کو منع کیا ہے، خود اس کا شکار نہ ہو، اس لیے وہ یہ بات کسی کے سامنے نہ کرے۔

کہا جاتا ہے کہ کسی دانا شخص کے ہاں کچھ مہمانوں نے اس کے بھائیوں کی چغلی کی تو اس دانا شخص نے ان سے کہا:

"قَدْ أَبْطَأْتَ فِي الزِّيَارَةِ وَأَتَيْتَنِي بِثَلَاثِ جِنَايَاتٍ: بَغَّضْتَ إِلَيَّ أَخِي، وَشَغَلْتَ قَلْبِيَ الْفَارِغَ، وَاتَّهَمْتَ نَفْسَكَ بِالْمَيْنِ".

"تم نے میری زیارت میں تاخیر کی، پھر مجھ پر تین زیادتیاں کیں: ایک تو مجھے میرے بھائی سے بدگمان کیا، میرے پر سکون دل کو بے چین کر دیا، اور خود پر زیادتی کا الزام لگایا"

من يخبرك بشتم عن أخ
فهو الشاتم لا مَنْ شتَمَكْ
ذاك شيء لم يواجهك به
إنما اللوم على مَنْ أعلمَكْ

"گالی اصل میں وہ دیتا ہے، جو کسی کی گالی آپ تک پہنچاتا ہے۔ کیونکہ گالی دینے والے نے تو آپ کے سامنے نہیں دی، حقیقی مجرم تو وہ ہے جس نے آکر آپ کو بتایا ہے۔"

عرب کہتے تھے:

"الراوية أحد الشاتمين، أو الهاجيين"

"نقل کرنے والا بھی گالی دینے یا ہجو کرنے میں شریک ہوتا ہے۔"

یعنی: ہجو اور گالی کو نقل کرنے والا گناہ ہجو کرنے اور گالی دینے والے کے برابر ہوتا ہے۔

ایک شخص ایک بزرگ کے پاس گیا اور کہنے لگا:

"إن فلانًا شتمك"

"فلاں نے آپ کو گالی دی ہے۔"

انہوں نے جواب دیا:

"أما وجد الشيطان بريدا غيرك؟!"

"کیا شیطان کے پاس تمہارے علاوہ کوئی اور ڈاکیا نہیں ہے؟!"

ایک شخص دوسرے سے ناراض ہو گیا، اس سے پوچھا گیا:

"ما أغضبك؟!"

"اس ناراضی کی وجہ کیا ہے؟!"

کہنے لگا:

"شيء نقله إلي الثقة عنك"

"ایک قابل اعتماد آدمی نے آپ کے بارے میں کچھ بتایا ہے۔"

اس نے جواب دیا:

"لو كان ثقة مانم".

"اگر وہ قابلِ اعتماد ہوتا تو چغلی نہ کرتا۔"

تو اے اللہ کے بندے! اگر تم چاہو کہ تمہاری زندگی کے حسن کو کوئی برباد نہ کرے، یا تمہارے مزے کو کوئی خراب نہ کرے تو غیبت کرنے والے کے ساتھ بیٹھنا چھوڑ دو، چغل خور سے ملنا بند کر دو، فتنہ باز، اور خبریں نقل کرنے والے کے ساتھ آنا جانا ترک کر دو، خیال رکھنا! خواہشات بھی تمہیں اس کے قریب نہ لیجائیں، شیطان بھی تمہیں اس کے قریب نہ بھٹکا دیں، اپنے نفس کو قابو میں کرو، اپنے کان کا اکرام کرو، کیونکہ جو بری باتیں سننے سے تمہارے دین، نفس اور وقت کو نقصان ہو گا وہ نا قابلِ تلافی ہو گا۔

یاد رکھو کہ چغل خور کی بات سننا بھی نقصان دہ ہے، اس سے قریب رہنا ایک عیب ہے، جبکہ اس سے دور رہنا خوشی اور سکون کا باعث ہے۔ جو کسی چغل خور کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے، وہ شیطان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ یاد رکھو کہ جو دوسروں کی باتیں تمہیں بتاتا ہے، وہ تمہاری باتیں بھی دوسروں کو ضرور بتائے گا۔

يسعى إليك كما يسعى عليك فلا

تَأْمَنْ غوائلَ ذي وجهين كيّادِ

"وہ آپ کی خلاف بھی ویسے ہی توانا ہو گا جیسے آپ کے لیے ہوتا ہے، اس لیے کسی دوغلے اور دو چہروں والے شخص پر یقین نہ کرنا۔"

میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہر گناہ کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اسی سے معافی مانگو۔ یقیناً! وہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

**دوسرا خطبہ**

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ وہ پناہ مانگنے والوں کو پناہ دینے والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ایسے لوگوں کو بھی شفا دے دیتا ہے جن کی شفا سے خود دوا بھی مایوس ہو چکی ہوتی ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ کی پیروی کرنے والا ہدایت کی راہ پر ہے، جو آپ ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے، وہ گمراہی اور ہلاک کا شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں آپ ﷺ پر، اہل بیت پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، ایسی رحمتیں جو ہمیشہ باقی رہیں اور ایسی سلامتی جو مسلسل نازل ہوتا رہے۔

بعد ازاں! اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو، اسے یاد رکھو، اس کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی سے بچو۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (سورۃ التوبہ:119)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔"

اے چغل خور! بہتان باندھنے والے، فتنہ پرور! اے اپنی خواہشات کے غلام بننے والے اور ان کے قبضے سے چھوٹنے سے قاصر رہنے والے! اے بے علمی میں اپنا نقصان کرنے والے، اے عافیت اور تندرستی کے دھوکے میں آنے والے، حالانکہ بستر مرگ اس کے لیے تیار ہو چکا ہے!

یاد رکھو کہ ایک دن تم نے اپنے شہر کو چھوڑ کر جانا ہے، اسی حالت میں ہر چیز کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے چلے جانا ہے۔ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ۔ اپنی چغلیوں اور اذیتوں کو روک لو، جن لوگوں کو اپنی چغلیوں کے سبب نقصان پہنچایا ہے، ان سے معافی تلافی کر لو، جنہیں اذیت دی ہے، اس سے ابھی معذرت کر لو، جسے پریشان کیا ہے، اس سے معافی مانگ لو، ہاں! اگر اسے حقیقت بتانے سے فتنے یا شر کا اندیشہ ہو، تو پھر اسے بتانا، یا اس سے معافی مانگنا یا معافی تلافی کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اس صورت میں کثرت سے استغفار کرنا چاہیے، کثرت سے اس کے لیے استغفار کرنا چاہیے، اس کے ساتھ احسان والا معاملہ کرنا چاہیے۔

درود وسلام بھیجو ہدایت کی راہ دکھانے والے احمد ﷺ پر، جو ساری مخلوق کے سفارشی ہیں۔ جو آپ ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

اے اللہ! ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر رحمتیں اور سلامتیاں نازل فرما! جو رحمت وثواب کی بشارت دینے والے ہیں، عذاب و سزا سے خبر دار کرنے والے ہیں، حساب کتاب کے دن سفارش کرنے والے ہیں، جن کی سفارش مانی بھی جائے گی۔

اے اللہ! رحمتیں نازل فرما، آپ ﷺ پر، تمام اہل بیت پر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی نازل فرما!

اے کریم! اے دینے والے! ان کے ساتھ ہم سب سے بھی راضی ہو جا۔

اے پروردگار عالم! اے اللہ! ہمارے بیماروں کو شفا عطا فرما! ہم میں سے آزمائش میں پڑنے والوں کی آزمائشیں دور فرما! ہمارے فوت شدگان پر رحم فرما! اے پروردگار عالم! جو ہمارے ساتھ دشمنی کرتے ہیں، ان کی خلاف ہماری مدد فرما!

اے اللہ! ہماری دعا سن لے! ہماری پکار اپنی طرف اٹھا لے! اے کریم! اے عظیم! اے رحیم!

☆☆☆

آپ نے اپنے گھر اور خاندان کے افراد، بلکہ اپنے گاؤں کے لوگوں کے ساتھ پردیس میں زندگی بسر کی ہے یا اپنے احباب کے ساتھ کسی فوجی چھاؤنی میں دن گزارے ہیں یا اپنے ان ساتھیوں جن سے آپ کا عقیدہ کا رشتہ استوار ہے، کے ساتھ فقر و فاقہ اور ظلم وستم کے سائے میں وقت گزارا ہے تو آپ خود ہی بتایئے کہ ان کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہوگی؟

اور یہ حقیقت ہے کہ اصحابِ رسول ﷺ اور خصوصاً سابقون الاوّلونؓ ان تمام مواقع میں مل جل کر زندگی بسر کی۔ وہ سارے کے سارے تنگیوں اور خوشحالیوں میں ایک دوسرے کے ساتھی اور غم گسار تھے بلکہ ان کے ساتھ خیر البشر حضرت محمد ﷺ بھی ہر موقع پر شریکِ کار تھے۔ ان کی معاشرتی زندگی جو تاریخ اسلامی کا ایک روشن باب ہے، اسے ہر تاریخ خواں یا سیرتِ طیبہ کا ذوق رکھنے والا جانتا ہے۔

تاریخ اسلامی پر ایک نظر دوڑایئے کہ جب رسول کریم ﷺ مکہ میں دارِ ارقم کے اندر موجود تھے اور ڈرتے چھپتے دعوتِ ایمان دیا کرتے، پھر اسلام کو قوت حاصل ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حبشہ کے پردیس کی طرف ہجرت کی اور اس کے بعد مدینہ منورہ کی طرف کوچ کرگئے، انہوں نے اپنا گھر بار، مال ودولت، وطن اور ملک چھوڑا۔

ان پر مشقت اور دور دراز سفروں میں ان کے اونٹوں پر بیٹھنے اور پیدل چلنے پر غور کیجئے۔ انہوں نے غزوئہ خندق کے موقع پر مدینہ میں محصور ہوکر خوف کی حالت میں اکٹھی زندگی بسر کی اور غزوئہ تبوک میں لق ودق ریگستانوں اور بے آب وگیاہ میدانوں کو عبور کیا اور بدر وخندق، خیبر و حنین اور ان سے قبل مکہ وغیرہ مقامات میں فتوحات کے مواقع اکٹھے بسر کئے۔ اس دوران تاریخ نے اُن کی باہمی محبت واُخوت کے وہ مظاہر دیکھے کہ دنیا آج تک اسکی مثال پیش نہیں کرسکی۔

یہ بات بھی آپ کے ذہن میں رہنی چاہئے کہ رسولِ کریم ﷺ ان کے ساتھ تھے اور وہ ان کے قائد، مربی اور معلم تھے۔ جن پر رب السماوات والارض کی طرف سے قرآن نازل ہورہا تھااور رسول اللہ ﷺ کی ذات ان کی زندگی کا مرجع ومحور بن گئی تھی۔ تاریخ اسلامی کے ان واقعات ومواقع کو ذرا تصور میں لائیں اور اس کے بعد دیکھیں کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک ہستیوں کے بارے میں کیارائے قائم کرتے ہیں۔

پہلی قسط میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی محبت کے مظاہر آپ پڑھ چکے ہیں، جن کا ذکر اللہ نے ان الفاظ میں کیا ہے: ﴿وَاذكُروا نِعمَتَ اللَّهِ عَلَيكُم إِذ كُنتُم أَعداءً فَأَلَّفَ بَينَ قُلوبِكُم فَأَصبَحتُم بِنِعمَتِهِ إِخوانًا﴾ (آل عمران: 103)

”اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم باہم دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔“

اوس اور خزرج کے درمیان عداوت بھڑک رہی تھی، لیکن اللہ نے اس عداوت کو مٹا دیا اور اس کے بدلے اُنہیں محبت اور اتفاق عطا کردیا۔

قارئین کرام! اگر آپ اس حقیقت کو مان لیں اور اصحابِ رسول ﷺ کے ساتھ حسن ظن رکھ لیں تو اس میں آپ کا کیا نقصان ہے؟ ان کا ربّ ان کے لئے شہادت دے رہا ہے اور ان پر اپنے فضل کا تذکرہ کررہا ہے کہ وہ بھائی بھائی بن گئے تھے، ان کے دل صاف وشفاف تھے ان میں اُلفت، محبت، اتفاق رچ بس گیا تھا۔ مشہور اُصول ہے کہ لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے، خصوصی سبب کا نہیں۔ اس عموم پر درج ذیل آیت دلالت کررہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِن يُريدوا أَن يَخدَعوكَ فَإِنَّ حَسبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذي أَيَّدَكَ بِنَصرِهِ وَبِالمُؤمِنينَ 0 وَأَلَّفَ بَينَ قُلوبِهِم لَو أَنفَقتَ ما فِي الأَرضِ جَميعًا ما أَلَّفتَ بَينَ قُلوبِهِم وَلٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَينَهُم إِنَّهُ عَزيزٌ حَكيمٌ﴾

”اور اگر وہ تجھے دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو تجھے اللہ کافی ہے، وہی اللہ جس نے اپنی نصرت اور مومنوں کے ذریعے تیری مدد فرمائی اور ان کے دلوں کو باہم جوڑ دیا اگر تو زمین میں جو کچھ ہے وہ سارے کا سارا خرچ کرڈالتا تو بھی ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکتا، لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا ہے، بے شک وہ غالب حکمت والا ہے۔“ (سورۃ الانفال: 62-63)

**قارئین کرام!** اس آیت کو پڑھیں اور بار بار اس میں غور فرمائیں۔ یہاں جو چیز ہمارے لئے قابل غور ہے، وہ یہ ہے کہ اگر رسولِ کریم ﷺ زمین کا سارا مال بھی خرچ کردیتے تو مقصود حاصل نہ ہوتا، لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ صاحبِ فضل ہے۔ اس روشن حقیقت کے باوجود کچھ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کی نفسانیت انہیں نصوص کی مخالفت اور اصحابِ رسول

کے درمیان عداوت کے بلا دلیل دعویٰ کے سوا کچھ تسلیم کرنے نہیں دیتی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں خبر دیتا ہے کہ اس نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا اور انہیں بھائی بھائی اور باہم رحم دل بنا دیا لیکن اس کے باوجود وہ داستانیں اور کہانیاں دہرائی جاتی ہیں کہ ان کے درمیان عداوت قائم تھی۔ حالانکہ بے شمار آیاتِ قرآنیہ ان خود ساختہ داستانوں کو جھٹلا رہی ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لِلفُقَراءِ المُهٰجِرينَ الَّذينَ أُخرِجوا مِن دِيٰرِهِم وَأَموٰلِهِم يَبتَغونَ فَضلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضوٰنًا وَيَنصُرونَ اللَّهَ وَرَسولَهُ أُولٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقونَ 0 وَالَّذينَ تَبَوَّءُو الدّارَ وَالإيمٰنَ مِن قَبلِهِم يُحِبّونَ مَن هاجَرَ إِلَيهِم وَلا يَجِدونَ فى صُدورِهِم حاجَةً مِمّا أوتوا وَيُؤثِرونَ عَلىٰ أَنفُسِهِم وَلَو كانَ بِهِم خَصاصَةٌ وَمَن يوقَ شُحَّ نَفسِهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ المُفلِحونَ﴾ ( سورة الحشر: 8-9)

”(مال فئے سے) ان نادار مہاجرین کا بھی حصہ ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیے گئے۔ وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی نصرت کرتے ہیں وہی لوگ سچے ہیں اور جن لوگوں نے ان سے پہلے دارِ ہجرت اور ایمان کو ٹھکانہ بنالیا وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے آئے اور جب ان (مہاجرین) کو کچھ دیا جائے تو وہ اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہیں کرتے، اگرچہ انہیں خود بھی ضرورت ہو اور جو لوگ اپنے نفس کی بخیلی سے بچ گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔“

اس کے علاوہ متعدد قرآنی آیات ہیں جو اصحابِ رسول ﷺ اور مہاجرین وانصار کے باہمی ایثار، اُخوت، معاملات اور الفت ومحبت کی توثیق کرتی ہیں۔

اس کے بعد آپ کے سامنے ایک قصہ پیش کرتے ہیں جسے علی الاربلی نے کشف الغمۃ (ج2/28، ط ایران) میں سیدنا علی بن حسین بن زین العابدین کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ عراقیوں کا ایک گروہ حضرت زین العابدین کے پاس آیا اور سیدنا ابو بکر وسیدنا عمر وسیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کے متعلق نامناسب باتیں کرنے لگا۔ جب وہ اپنی باتوں سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا:

”میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم ان اوّلین مہاجروں میں ہو جن کا اس آیت میں ذکر ہے؟“

﴿الَّذينَ أُخرِجوا مِن دِيٰرِهِم وَأَموٰلِهِم يَبتَغونَ فَضلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضوٰنًا وَيَنصُرونَ اللَّهَ وَرَسولَهُ أُولٰئِكَ هُمُ الصّٰدِقونَ﴾ (سورۃ الحشر: 8)

”جو اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیے گئے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی نصرت کرتے ہیں، وہی لوگ سچے ہیں۔“

انہوں نے کہا: نہیں... فرمایا: کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے ﴿وَالَّذينَ تَبَوَّءُو الدّارَ وَالإيمٰنَ مِن قَبلِهِم يُحِبّونَ مَن هاجَرَ إِلَيهِم وَلا يَجِدونَ فى صُدورِهِم حاجَةً مِمّا أوتوا وَيُؤثِرونَ عَلىٰ أَنفُسِهِم وَلَو كانَ بِهِم خَصاصَةٌ﴾ (سورۃ الحشر: 9)

”دارِ ہجرت اور ایمان کو ان سے پہلے ٹھکانا بنایا تھا، وہ اپنی طرف ہجرت کر کے آنیوالوں سے محبت کرتے ہیں اور ان مہاجرین کو جو کچھ دیا جائے اس سے اپنے سینوں میں تنگی محسوس نہیں کرتے اور وہ انہیں اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ انہیں خود بھی اس کی احتیاج ہو؟“

انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تم بذاتِ خود اس بات کے اقراری ہوگئے ہو کہ تم ان دونوں فریقوں میں سے نہیں ہو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو جن کے متعلق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَقولونَ رَبَّنَا اغفِر لَنا وَلِإِخوٰنِنَا الَّذينَ سَبَقونا بِالإيمٰنِ وَلا تَجعَل فى قُلوبِنا غِلًّا لِلَّذينَ ءامَنوا﴾ (سورۃ الحشر: 10)

”جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان قبول کرنے میں ہم سے سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے متعلق کینہ پیدا نہ فرما جو ایمان لائے۔“

لہٰذا میرے پاس سے نکل جاؤ، اللہ تمہارا برا کرے۔“

یہ ہے حضرت زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی مبارک فہم، آپ تابعین میں سے ہیں۔ درحقیقت اہل السنہ بلکہ شیعہ کی کتابیں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی تعریف سے بھری پڑی ہیں اور نہج البلاغۃ کا مطالعہ کرنے والے کو بہت سے خطبے اور ایسے صریح اشارات ملیں گے جو تمام کے تمام اصحابِ رسول کی تعریف و ثنا سے بھرے ہوئے ہیں، لیکن میں نے ایک کا انتخاب کیا ہے کیونکہ اس میں قرآنِ کریم کا اقتباس ہے۔ نیز سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”میں نے اصحابِ محمد ﷺ کو دیکھا ہے، میں تم میں کوئی ایسا فرد نہیں دیکھ رہا جو ان کے مشابہ ہو۔ وہ پراگندہ حالت میں صبح کرتے تھے، کیونکہ وہ قیام اور سجدوں میں رات بسر کرتے تھے۔ وہ تھکاوٹ کی وجہ سے سجدوں میں اپنی پیشانیوں اور رخساروں پر ٹیک لگا کر راحت حاصل کرتے تھے اور اپنے یومِ حساب کو یاد کر کے یوں کھڑے ہوتے تھے جیسے وہ انگاروں پر کھڑے ہوں اور لمبے سجدوں کی وجہ سے گویا ان کی آنکھوں کے درمیان بکری کے گھٹنے جیسے نشان ہوں۔ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا تو ان کی آنکھوں سے آنسو اُمڈ پڑتے، یہاں تک کہ ان کے گریبان تر ہو جاتے اور عذاب کے خوف اور ثواب کی امید سے وہ یوں لرزتے کانپتے جھک جاتے جیسے آندھی کے طوفان سے درخت جھک جاتے ہیں... الخ۔“

صحابہ رضی اللہ عنہ کی تعریف میں آپ رضی اللہ عنہ کا کلام کافی طویل ہے۔ اور آپ کے پوتے حضرت زین العابدین کا ایک رسالہ ان کے لئے دعا اور ان کی ثنا پر مشتمل ہے اور آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف میں تمام ائمہ شیعہ کے بہت سے اقوال ملیں گے اور خلفائے راشدین واُمہات المومنین رضی اللہ عنہم وغیر ہم کے بارے میں ان سے بہت سی روایات منقول ہیں جن میں ان

پر شا کی تصریح ہے، اگر انہیں جمع کیا جائے تو بہت سی جلدیں بن سکتی ہیں۔

اس کے بعد اہل السنۃ والجماعہ کے ہاں اہل بیت کے مرتبہ و مقام کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے ،تاکہ آپ کو علم ہوسکے کہ اہل السنہ قرآن کریم پر تمسک اور عمل کی مکمل حرص رکھتے ہیں اور بعینہٖ اسی طرح وہ عترتِ رسول ﷺ کو مضبوطی سے تھامنے والے ہیں، چنانچہ ذیل میں ہم علما اہل سنت کے اقوال کی روشنی میں اہل بیت کے ہاں انکے مقام کی وضاحت کریں گے:

**اہل بیت کے متعلق اہل السنۃ کا موقف**

**'اہل بیت' کی لغوی اور اصطلاحی تعریف**

خلیل بن احمد کہتے ہیں کہ آل البیت کا معنی ہے: أهل الرجل اور التأهل کا معنی ہے تزویج (شادی) (دیکھئے کتاب العین: 89/4)

أهل البيت کا معنی ہے، اس گھر میں رہنے والے اور أهل الاسلام جبکہ الآل کے متعلق معجم مقاییس اللغۃ میں ہے: قوله آل الرجل، أَهلُ الرّجُلِ (الصحاح 1628/4؛ لسان العرب 28/11) کا معنی ہے: اسلام کو بطورِ دین اپنانے والے۔ (معجم مقاییس اللغۃ 161/1، مفردات فی غریب)

ابن منظور کہتے ہیں کہ آلُ الرّجُلِ سے مراد اس کے اہل ہیں اور آلَ اللهِ وَرَسُوْلُهُ سے مراد ان کے اطاعت گزار بندے ہیں۔ اس کا اصل أهل ہے پھر ہاء کو ہمزہ سے بدل دیا گیا تو وہ مقدر طور پر أأل ہو گیا پھر جب دو ہمزے اکٹھے ہوگئے تو دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیا گیا (لسان العرب: 15/2) اور یہ کلمہ غالباً اشرف مخلوق کی طرف مضاف ہوتا ہے اس لئے آل الحائك (جولاہے کی آل) نہیں کیا جاتا جبکہ أهل الحائك کہا جاسکتا ہے۔

بیت الرجل سے مراد آدمی کا گھر اور اس کا شرف و وقار ہے (مفردات فی غریب القرآن: 29) اور جب البیت کہا جاتا ہے تو اس سے مراد بیت اللہ کعبہ شریف ہوتا ہے اور جب جاہلیت میں اہل البیت کہا جاتا تو اس سے مراد خصوصی طور پر اس کے باشندے ہوتے تھے اور اسلام کے بعد جب اہل البیت کہا جاتا ہے تو اس سے مراد آلِ رسول ہوتی ہے۔

**آلِ رسول ﷺ سے مراد کیا ہے؟**

علمائے کرام نے آلِ بیت رسول ﷺ کی حد بندی میں اختلاف کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے کئی اقوال ہیں۔ ان میں سے مشہور یہ ہیں:

1- جمہور علما کے نزدیک آلِ بیت رسول ﷺ وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔

2- بعض کے نزدیک اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی اولاد اور آپ کی بیویاں ہیں۔ اسے امام ابو بکر ابن العربی مالکی نے احکام القرآن میں ذکر کیا ہے اور دلائل سے ثابت کرکے اس قول کی تائید کی ہے جبکہ اس قول سے اتفاق کرنے والے بعض علما نے آپ ﷺ کی بیویوں کو اس شرف سے خارج کر دیا ہے۔

3. بعض کے نزدیک آل النبی ﷺ سے مراد ان کے قیامت تک کے متبعین ہیں۔ امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی نے شرح صحیح مسلم میں اسے تقویت دی ہے اور صاحب 'الانصاف' نے ان کی موافقت کی ہے اور بعض علما نے نبی کریم ﷺ کے متبعین میں سے متقین کو آلِ بیت شمار کیا ہے۔ سوال: جن پر صدقہ حرام ٹھہرایا گیا، وہ کون ہیں؟

**جواب:** وہ ہیں بنو ہاشم اور بنو مطلب اور یہی قول راجح ہے اور جمہور علما کرام نے اسی قول کی تائید کی ہے اور بعض علما نے (صدقہ کی حرمت کو) بنو ہاشم تک محدود کیا ہے اور بنو مطلب کو اس میں شامل نہیں کیا۔

شیعہ امامیہ (اثنا عشریہ) کے نزدیک آلِ رسول ﷺ سے مراد فقط بارہ امام ہیں، دوسرے اس میں شامل نہیں۔ اس سلسلے میں ان کی تفصیلات اور تفریعات ہیں جن کے بیان کا یہاں موقع نہیں ہے، کیونکہ اس مسئلے میں ان کے فرقوں کے درمیان بڑا اختلاف اور اسی اختلاف کی وجہ سے تفرقہ ظہور پذیر ہوا۔ (دیکھئے کتاب فِرق الشیعۃ مؤلفہ نوبختی)

**آلِ رسول ﷺ کے متعلق اہل السنۃ کا عقیدہ**

عقیدہ کی کتابوں میں آپ کو کوئی کتاب ایسی نہ ملے گی جو اعتقاد کے ہمہ جہت مسائل پر مشتمل ہو اور اس میں اس مسئلہ پر بات نہ کی گئی ہو، کیونکہ اس کی خاص اہمیت ہے اور علمانے اسے مسائل اعتقاد میں شامل کیا ہے اور اس کی اہمیت کی وجہ سے اس پر مستقل رسائل لکھے ہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے عقیدہ واسطیہ میں اور اپنے مختصر سے رسالے میں اہل السنہ کا عقیدہ بیان کیا ہے اور اختصار کے باوجود انہوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اہل بیت رسولؐ سے محبت کرتے ہیں اور ان سے وابستگی رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں حضرت رسول کریم ﷺ کی وصیت کو یاد رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے غدیر خم کے روز فرمایا تھا: «أُذَكِّرُكُمُ اللهَ في أهلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ في أهلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ في أهلِ بَيْتِي»

''میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔'' (جلاء الافہام فی الصلوۃ علی خیر الانام ابن قیم کا مطالعہ کیجئے)

اور جب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے بعض قریشیوں کی بے رُخی اور سرد مہری کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

وَالّذي نَفْسِيْ بِيَدِهِ، لَا يَدْخُلُ قلبَ رَجُلٍ الإيمانُ حَتّى يُحِبّكُم للهِ وَلِرَسُوْلِهِ.

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کسی دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہو گا جب تک وہ تم سے اللہ کی خاطر اور میری قرابت کی وجہ سے محبت نہ کریں۔'' (جامع ترمذی: 3758)

اور آپ ﷺ نے فرمایا: «إن الله اصطفى بني اسماعيل واصطفى من بني اسماعيل كنانة واصطفى من كنانة قريشا واصطفى من قريش بني هاشم واصطفاني من بني هاشم»

''اللہ تعالیٰ نے بنو اسماعیل کو پسند کیا اور بنو اسماعیل سے کنانہ کو پسند کیا اور کنانہ سے قریش کو پسند کیا اور

قریش سے بنو ہاشم کو پسند کیا اور مجھے بنو ہاشم سے پسند کیا... الخ۔" (احمد فی فضائل الصحابہ)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات اہل تشیع کی اس بات کا ردّ کرنے کے لیے کافی ہے کہ وہ ان کے ساتھ شدید عداوت رکھتے تھے، کیونکہ اُنہوں نے ابن مطہر الحلی کے رد میں منہاج السنۃ لکھی ہے... آلِ رسول ﷺ کے حقوق کی تفصیل درج ذیل ہے:

**اولاً: حق محبت ونصرت**

قارئین کرام! آپ پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ہر مسلمان مرد وعورت سے محبت رکھنا شرعی فریضہ ہے اور آلِ رسولؐ سے جس طرح کی محبت و نصرت کا ذکر گزر چکا ہے، وہ خاص محبت ہے جس میں کوئی اور شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ ﷺ نے اس کے متعلق لقرابتی کا لفظ ارشاد فرمایا ہے جبکہ پہلی محبت جو اللہ کے لئے ہونی چاہئے وہ ایمانی اُخوت و نصرت ہے جو تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے، کیونکہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے لہٰذا یہ محبت تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے اور اس میں آلِ رسول ﷺ بھی شامل ہیں۔

حضرت رسولِ مقبول ﷺ نے اپنے قرابت داروں کے لئے خاص محبت کا ذکر کیا جو ان کی رسول اللہ ﷺ سے قرابت داری کی وجہ سے ان کے ساتھ ہی خاص ہے۔ اس کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے:

﴿قُل لا أَسـٔلُكُم عَلَيهِ أَجرًا إِلَّا المَوَدَّةَ فِى القُربىٰ﴾ (سورۃ الشوریٰ: 23)

"کہہ دیجئے میں تم سے اس پر اُجرت کا سوال نہیں کرتا مگر یہ کہ تم میرے قرابت داروں سے دوستی کرکے مجھ سے محبت کا ثبوت دو۔"

معنی کے اعتبار سے گذشتہ صحیح روایت کا مفہوم بھی یہی ہے جو اس آیت کا ہے، کیونکہ چند مفسرین نے اس کا معنی یہ بھی کیا ہے کہ مجھ سے اس بنا پر محبت کرو کہ میری تم میں قرابت داری ہے، کیونکہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی قریش کے تمام قبائل کی شاخوں میں قرابت داری تھی۔ مقصد یہ ہے کہ ان کی محبت اور نصرت اور توقیر، ان کی رسول کریم ﷺ سے قرابت داری کی وجہ سے ہے اور یہ اس دوستی سے علاوہ ہے جو عام مسلمانوں کے لئے ہے۔

**ثانیاً: ان پر درود وسلام کا حق**

اس طرح ان پر درود پڑھنا بھی ان کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلـٰئِكَتَهُ يُصَلّونَ عَلَى النَّبِىِّ ۚ يـٰأَيُّهَا الَّذينَ ءامَنوا صَلّوا عَلَيهِ وَسَلِّموا تَسليمًا﴾ (سورۃ الاحزاب: 56)

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجو۔"

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، ان کا بیان ہے کہ رسول کریم ﷺ میرے پاس مجلسِ سعد بن عبادہ میں تشریف لائے۔ سیدنا بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے آپ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے پیارے رسول ﷺ! اللہ نے ہمیں آپ پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے، تو ہم کس طرح آپ پر درود پڑھیں، آپ ﷺ خاموش ہو گئے حتیٰ کہ ہم خواہش کرنے لگے کہ کاش اس نے سوال نہ کیا ہوتا۔ پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کہو «قُولُوا اللهُمّ صَلِّ عَلَى مُحَمّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمّدٍ، كَمَا صَلّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ، إِنّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ »

اور سلام ایسے ہی ہے جیسے تم جانتے ہو۔ (صحیح مسلم: 405)

اور اس طرح ابو حمید ساعدی کی متفق علیہ حدیث بھی ہے اور اس کے علاوہ بہت سے دلائل ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اس بات پر ائمہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ درود ان کا خاص حق ہے، اس میں اُمت شامل نہیں۔" (جلاء الافہام) اور اس سے مراد درودِ ابراہیمی ہے۔

**ثالثاً: خمس کا حق**

اس طرح خمس میں بھی ان کا حق ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاعلَموا أَنَّما غَنِمتُم مِن شَيءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسولِ وَلِذِى القُربىٰ وَاليَتـٰمىٰ وَالمَسـٰكينِ وَابنِ السَّبيلِ﴾ (سورۃ الانفال: 41)

"اور جان لو جو چیز تم کو غنیمت میں ملے اس میں پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے اور رسول کے لئے بھی اور قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے بھی۔"

اس سلسلے میں بہت سی احادیث ہیں اور یہ حصہ آپ کے قرابت داروں کے لئے خاص ہے اور حضرت رسولِ کریم ﷺ کی وفات کے بعد بھی ان کے لئے ثابت ہے۔ یہ جمہور علما کا قول ہے اور صحیح ہے۔ (مغنی: 9/188)

نوٹ: اہل بیت کے حقوق بہت سے ہیں لیکن ہم نے ان میں سے اہم حقوق کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان حقوق کا مستحق وہی ہے جس کا اسلام اور آپ ﷺ تک نسب ثابت ہو، یہ شرط نہایت اہم ہے، ایسے ہی اچھے عمل کا ہونا بھی ضروری ہے۔ (مزید بر آں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر رسالہ حقوق اہل بیت بھی دیکھئے جسے ابوتراب ظاہری نے شائع کیا ہے۔)

یہ بھی یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نسب پر ہی انحصار و اعتماد کرنے سے ڈرایا ہے جیسا کہ مکہ مکرمہ کے مشہور واقعہ میں آپ ﷺ کا فرمان منقول ہے کہ آپ نے فرمایا تھا:

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللهِ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا يَا عَبّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا يَا صَفِيّةُ عَمّةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمّدٍ سَلِينِي مَا شِئْتِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللهِ شَيْئًا » (صحیح بخاری: 4771)

"اے گروہِ قریش! اپنی جانوں کو اللہ سے خرید لو، میں

اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب میں اللہ کے ہاں تیرے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اے صفیہ، رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی! میں اللہ کے ہاں تیرے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اے فاطمہ بنت محمد (ﷺ) میرے مال سے جو کچھ مانگنا چاہتی ہے مانگ لے، میں اللہ کے ہاں تجھے کفایت نہیں کروں گا۔"

اور آپ جانتے ہیں کہ ابولہب کے متعلق کیا نازل ہوا۔ حالانکہ وہ بھی ہاشمی قریشی تھا اور آپ کا سگا چچا تھا... اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں آگ کے عذاب سے پناہ عطا فرمائے۔

**ناصبیوں کے متعلق اہل السنہ والجماعہ کا موقف**

اہل السنہ والجماعہ کے نزدیک آلِ رسولؐ کے مرتبہ و مقام کے بیان کو مکمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ناصبیوں کے متعلق اہل السنہ کے موقف کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔

نَصب کا لغوی معنی کسی چیز کو کھڑا کرنا اور اسے بلند کرنا ہے اور اس سے ناصبۃ الشر والحرب کا جملہ وجود میں آیا ہے۔ قاموس میں ہے: النواصب والناصبۃ وأھل النصب اس سے مراد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والے متدین لوگ ہیں، کیونکہ انہوں نے آپ سے عداوت کھڑی کی، یعنی آپ سے دشمنی کی۔ یہ ہے ناصبیوں کے نام کا اصل۔ چنانچہ جو کوئی انسان، اہل بیت سے بغض رکھے گا وہ ناصبیوں میں سے ہے۔

قارئین کرام! علماء اسلام کا کلام سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادوں کی تعریف میں واضح اور صریح ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ سیدنا علی اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم نعمتوں کے باغات میں ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ (وللہ الحمد)

یہاں ناصبیوں کے متعلق اہل السنہ کا موقف اور ناصبیوں سے ان کی لاتعلقی کو واضح کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ ایک اہم مسئلہ ہے اور مفاد پرست ٹولہ بعض من گھڑت اور خیالی قصوں کی بنیاد فرقہ پرستی کو ہوا دینا چاہتا ہے۔ اہل السنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بہت سی روایات بیان کی ہیں اور حدیث کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب نہ ہوں۔ میں ناصبیوں کے متعلق صرف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول پیش کرنے پر اکتفا کروں گا کہ جن کو شیعہ اپنا شدید دشمن سمجھتے ہیں، کیونکہ آپ نے شیعہ کے ردّ پر سب سے بڑا سنی انسائیکلوپیڈیا تصنیف کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بُرا کہنے اور ان پر لعنت کرنے کی وجہ سے یہ گروہ اس بات کا مستحق ٹھہرا کہ اسے باغی گروہ کہا جائے۔"

جیسا کہ صحیح بخاری میں سیدنا خالد حذاء سے بحوالہ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے اور اپنے بیٹے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ کی طرف جاؤ اور ان سے حدیث سنو۔ چنانچہ ہم گئے تو وہ اپنی دیوار درست کر رہے تھے انہوں نے اپنی چادر لی اور گوٹھ مار کر بیٹھ گئے اور ہمیں حدیثیں سنانے لگے۔ جب وہ مسجد نبوی کی تعمیر کے ذکر پر پہنچے تو فرمایا: ہم ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور سیدنا عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اُٹھاتے تھے۔ جب رسول کریم ﷺ نے دیکھا تو ان سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا: افسوس اے عمار! تجھے باغی گروہ قتل کرے گا، یہ انہیں جنت کی طرف دعوت دے گا اور وہ اسے آگ کی طرف دعوت دیں گے۔ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: أعوذ باللہ من الفتن۔ اسے مسلم نے ابوسعید سے بھی روایت کیا ہے اور فرمایا: مجھے اس شخص نے خبر دی جو مجھ سے بہتر ہے۔" سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول کریم ﷺ نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ سے خندق کھودتے وقت فرمایا اور اس وقت آپ ﷺ اس کے سر سے مٹی جھاڑ رہے تھے: ابن سمیہ کی زبوں حالی!! اس کو باغی گروہ قتل کرے گا اور امام مسلم نے سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عمار (رضی اللہ عنہ) کو باغی گروہ قتل کرے گا۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت صحیح تھی اور ان کی اطاعت واجب تھی اور ان کی طرف دعوت دینے والے جنت کی طرف دعوت دیتے تھے اور ان سے لڑائی کی دعوت دینے والے آگ کی طرف دعوت دینے والے تھے، اگرچہ وہ تاویل کرنیوالے تھے۔ اور اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے لڑنا جائز نہ تھا اور ان سے لڑنے والا خطاکار تھا اگرچہ وہ تاویلاً لڑ رہا تھا یا بغیر تاویل کے وہ باغی تھا۔ ہمارے اصحاب کے نزدیک یہ قول صحیح ترین ہے، یعنی یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے لڑنیوالے پر خطاکاری کا حکم لگایا جائے اور یہ ان فقہا کا بھی مذہب ہے جنہوں نے متاول باغیوں سے لڑائی کرنے کا موقف اپنایا ہے۔ (مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ 4/427)

ان کے درج ذیل قول پر غور کیجئے۔ آپ نے یزید کے متعلق اہل السنہ کے کلام پر طویل تبصرہ کرنے اور مسئلہ تحریر کرنے، اور اس میں لوگوں کے اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

وأما من قتل الحسين أو أعان على قتله أو رضي بذلك فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين

"لیکن جس نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا ان کے قتل میں معاونت کی یا وہ آپ کے قتل پر خوش ہوا، اس پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔" (مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ 4/487)

کیا اس کے بعد کسی خطیب، ذاکر یا خود کو عالم کہلانے والے کے لئے ممکن ہے کہ وہ اہل السنہ پر طعن کرے اور کہے کہ وہ ناصبی ہیں۔ مذکورہ بالا کلام، ائمہ سلف میں سے ایک امام کا ہے۔

میرے بھائیو! ممکن ہے کہ اس مضمون کو پڑھتے ہوئے آپ کے دل میں بہت سے سوالات اُبھرے ہوں۔ اس بنا پر کہ تاریخی طور پر صفین اور جمل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان لڑائی کا وجود ثابت ہے۔ اور ان میں سے ہر فریق کے ساتھ صحابہ کا ایک گروہ موجود تھا یا ان میں سے عام یا اکثر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور انکے ساتھیوں میں اہل بیت بھی تھے۔ یہ بحث ایک مستقل رسالے کی محتاج ہے، میری دعا ہے کہ اللہ مجھے اس رسالے کو تالیف کرنے کی بھی

توفیق عطا فرمائے تاکہ ایسے تنازعات وغیرہ کی حقیقت بیان ہوسکے۔ میں اپنی ذات اور آپ کو اللہ سبحانہ کا فرمان یاد دلاتا ہوں:

﴿وَإِن طائِفَتانِ مِنَ المُؤمِنينَ اقتَتَلوا فَأَصلِحوا بَينَهُما فَإِن بَغَت إِحدىٰهُما عَلَى الأُخرىٰ فَقٰتِلُوا الَّتى تَبغى حَتّىٰ تَفىءَ إِلىٰ أَمرِ اللَّهِ فَإِن فاءَت فَأَصلِحوا بَينَهُما بِالعَدلِ وَأَقسِطوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ المُقسِطينَ0 إِنَّمَا المُؤمِنونَ إِخوَةٌ ﴾ (سورۃ الحجرات: 9-10)

"اگر مؤمنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔ پھر اگر ایک جماعت دوسرے کے خلاف بغاوت کرے تو بغاوت کرنے والی جماعت سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اگر وہ لوٹ آئے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کرا دو اور انصاف کرو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ بے شک مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

اس آیت میں اللہ نے ان کی باہمی لڑائی کے باوجود ان کے لئے ایمان کو ثابت کیا ہے۔ یہ آیت اپنے مفہوم میں صریح ہے اور کسی تعلیق اور تفسیر کی محتاج نہیں ہے۔ لہٰذا تمام صحابہ مؤمن ہیں، اگرچہ ان کے درمیان لڑائی ہوئی۔ اس طرح اللہ کا یہ قول:

﴿فَمَن عُفِيَ لَهُ مِن أَخيهِ شَيءٌ فَاتِّباعٌ بِالمَعروفِ﴾... (سورۃ البقرۃ: 178) "کہ جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی گئی ہو تو بھلائی کے ساتھ اس کی اتباع کرنا ہے۔"

یہ آیت قتل عمد کے متعلق ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قاتل اور مقتول کے سرپرستوں کے درمیان ایمانی اُخوت ثابت کی ہے۔ چنانچہ قتل کے شنیع جرم اور اس کی شدید سزا نے، جو اللہ نے بیان کی ہے، انہیں دائرۂ ایمان سے نہیں نکالا اور وہ مقتول کے اولیا کے ساتھ بھائی قرار پائے اور اللہ فرماتا ہے:

﴿إِنَّمَا المُؤمِنونَ إِخوَةٌ﴾ (سورۃ الحجرات: 10) "مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

**اختتامیہ**

گذشتہ اوراق میں ہم نے آلِ رسول اَطہار اور آپ کے اخیار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تصوراتی لمحات گزارے اور ان کے درمیان صلہ رحمی اور مصاہرت، دوستی اور اُخوت، تالیفِ قلبی اور ایثارِ نفسی کا مطالعہ کرلیا ہے اور ان کے درمیان اس شفقت و رحم دلی کا ادراک کرلیا ہے جسے اللہ نے قرآن میں بیان کیا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ربّ العالمین سے دعا کرنے کی کوشش کریں کہ وہ ہمیں اس عمل کی توفیق دے جسے وہ پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے اور وہ ہمیں ان لوگوں میں کردے جن کے متعلق اس نے اپنی کتاب کریم میں فرمایا ہے:﴿وَالَّذينَ جاءو مِن بَعدِهِم يَقولونَ رَبَّنَا اغفِر لَنا وَلِإِخوٰنِنَا الَّذينَ سَبَقونا بِالإيمٰنِ وَلا تَجعَل فى قُلوبِنا غِلًّا لِلَّذينَ ءامَنوا رَبَّنا إِنَّكَ رَءوفٌ رَحيمٌ﴾ (الحشر: 10)

"اور جو لوگ ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے ربّ! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے ایمان قبول کرنے میں سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے متعلق کینہ پیدا نہ کر جو ایمان لائے۔ اے ہمارے رب! تو بلاشبہ شفقت کرنے والا مہربان ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی یہ دعا مہاجرین اور انصار کی تعریف کرنے کے بعد بیان کی ہے۔

دلائل و براہین خواہ کتنے ہی واضح اور آشکارا ہوں، پھر بھی انسان اپنے مولیٰ عزوجل سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روشن معجزات کے ساتھ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید فرمائی اور انہیں وہ قرآن عطا فرمایا جسے اس نے نورِ مبین کے ساتھ موصوف کیا ہے اور پھر اس کے ساتھ آپ کو حسن خلق، قوتِ بیان اور فصاحت عطا کی اور انہیں ظاہری و باطنی حسن عطا فرمایا اور اہل مکہ آپ کو بچپن سے لے کر بعثت تک جانتے بھی تھے۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود بہت سے اہل مکہ اپنے کفر پر قائم رہے، حتیٰ کہ مکہ فتح ہوگیا۔

لہٰذا ہم پر ضروری ہے کہ ہم دعا کریں اور طلبِ توفیق اور حق پر ثابت قدمی اور اس کی پیروی کی کوشش کریں، خواہ وہ کہیں بھی ہو، کیونکہ ہدایت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

یاد رکھیں! آپ اس حکم کے ذمہ دار ہیں جو اللہ نے آپ کو دیا ہے اور اللہ اس پر آپ کا حساب لینے والا ہے، لہٰذا کسی مخلوق کے کلام کو اللہ کے کلام پر برتر کرنے سے بچیں۔ اللہ نے آپ کے لئے قرآن کو صاف عربی زبان میں نازل فرمایا ہے اور اسے مؤمنوں کے لئے شفا بنایا ہے اور دوسروں کے لئے اندھاپن۔

چنانچہ اللہ سبحانہ نے فرمایا:

﴿قُل هُوَ لِلَّذينَ ءامَنوا هُدًى وَشِفاءٌ وَالَّذينَ لا يُؤمِنونَ فى ءاذانِهِم وَقرٌ وَهُوَ عَلَيهِم عَمًى...﴾ (سورۃ فصلت: 44)

"کہہ دیجئے کہ وہ ایمان والوں کیلئے ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر اندھاپا ہے۔"

آپ قرآن سے رہنمائی حاصل کریں اور اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں۔ اللہ آپ کو اپنی خوشنودی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ساری مخلوق کا حساب اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر ہے، یہ کسی بشر کے ذمہ نہیں ہے، بلکہ نیک لوگ چند شروط کے ساتھ اللہ سے شفاعت کرسکتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ کریم سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے لمبی چھوڑنے اور ترنگ میں آنے سے باز رہیں اور اس کے بندوں کے متعلق فیصلہ دینے سے کنارہ کش رہیں۔ ہم اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے باقی صحابہ کرامؓ سے محبت کریں تو ہمیں کچھ نقصان نہیں ہوگا، بلکہ یہ عمل قرآن کے بھی موافق ہے اور صحیح روایات کے بھی۔

ہمیں چاہئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے دلوں سے ان کی نفرت کھینچ لے اور ہمیں حق پرکھنے کی بصیرت عطا فرمائے اور ہمارے نفسوں اور شیطان کے برخلاف ہماری مدد فرمائے، کیونکہ وہ اس پر قادر ہے اور اس کا حق دار ہے۔ واللہ اَعلم

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو ضلالت و جہالت سے مبرا اور دلائل و براہین سے آراستہ ہے۔ اسلام کے تمام احکام پایہ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں اور اس دین مبین میں خرافات و بدعات کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾(سورۃ المائدۃ: 3)

"آج کے دن ہم نے تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین پسند فرمایا۔"

اب کوئی نام نہاد عالم دین مفتی محدث ایسا نہیں کر سکتا کہ اس دین مبین میں اور صاف و شفاف چشمے میں بدعات و خرافات کا زہر ملائے۔ لیکن افسوس ہے کہ شیطان اور اس کے پیروکاروں نے اس دین صافی کو ضلالت و جہالت سے خلط ملط کرنے اور خرافات سے داغ دار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

**ماہ صفر کی وجہ تسمیہ**

شیخ علیم الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المشہور فی اسماء الایام والشہور" میں لکھتے ہیں:

"صفر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے میں عموماً ان کے (اہل عرب) گھر خالی رہتے تھے اور وہ لڑائی بھڑائی قتل و جدال اور سفر پر چل دیتے تھے جب مکان خالی ہو جائے تو عرب کہتے تھے: "صفر المکان" مکان خالی ہو گیا۔"

کیونکہ صفر سے پہلے حرمت والے تین ماہ اکٹھے آتے ہیں اس میں وہ قتال و جدال نہیں کیا کرتے تھے بلکہ قتال کرنا ان مہینوں میں حرام ہوتا تھا جب یہ ماہ ختم ہو جاتے تو فوراً اپنے گھروں سے قتال کے لیے نکل پڑتے تھے اور گھروں کو خالی کر دیتے تھے۔

**صفر کے متعلق قدیم لوگوں کے خیالات**

قبل از اسلام دور جاہلیت کے لوگ ماہ صفر کو منحوس خیال کرتے تھے اور اس میں سفر کرنے کو برا گردانتے تھے اسی طرح زمانہ جاہلیت میں ماہ صفر کو خیر و برکت سے عاری گردانا جاتا تھا۔

لیکن آج کے اس پڑھے لکھے دور میں عوام الناس ماہ صفر کے بارے میں جہالت اور دین سے دوری کے سبب ایسے ایسے توہمات کا شکار ہیں جن کا دین اسلام کے ساتھ دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ یہ اس قدیم جاہلیت و جہالت کا نتیجہ ہے کہ متعدد صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی عوام الناس میں وہی زمانہ جاہلیت جیسی بدعات و خرافات موجود ہیں۔

**صفر کے متعلق جدید لوگوں کے خیالات**

برصغیر کے مسلمانوں کا ایک طبقہ صفر کے مہینے کو منحوس سمجھتا ہے اس مہینے میں توہم پرست لوگ شادی کرنے کو نحوست کا باعث قرار دیتے ہیں۔ اس مہینے سے بد شگونی لیتے ہیں اور اسکو خیر و برکت سے خالی سمجھا جاتا ہے۔

**ماہ صفر کی بدعات و خرافات**

**1۔ شادی نہ کرنا:** اس مہینے میں پہلی بدعت یہ ہے کہ لوگ اس میں شادی نہیں کرتے، کیوں؟ اس لیے کہ اگر شادی کریں گے تو وہ شادی کامیاب نہیں ہو گی اس جوڑے میں طلاق ہو جائے گی۔ اگر یہ نہ ہوا تو پھر اولاد نہیں ہو گی اگر اولاد بھی ہو گئی تو وہ ناقص ہو گئی یعنی اس کے اعضاء درست نہیں ہونگے۔ یہ لوگوں کا عقیدہ ہے اور یہ بالکل باطل عقیدہ ہے۔

**2۔ کاروبار کا آغاز نہ کرنا:** اس مہینے کی دوسری بدعت یہ ہے کہ لوگ اس میں کاروبار کا افتتاح اور آغاز نہیں کرتے، کیوں؟ اس لیے کہ اگر کاروبار شروع کر دیا تو وہ کاروبار کبھی بھی کامیاب نہیں ہو گا اگر ہو گیا تو اس کاروبار میں فائدہ نہیں ہو گا بلکہ نقصان ہی نقصان ہو گا۔ یہ عقیدہ بھی بالکل باطل ہے۔

**3۔ خود ساختہ نفلی عبادات:** کچھ لوگ ماہ صفر میں خاص ترتیب اور خاص مقدار میں تسبیحات پڑھتے ہوئے بعض اپنی نفلی نمازیں ادا کرتے اور اس کا حکم دیتے ہیں جن کا قرآن و حدیث سے کوئی بھی ثبوت نہیں ملتا۔ حوالہ یا دلیل مانگنے پر وہ "راحت القلوب" اور "جواہر غیبی" کتب کا حوالہ دیتے ہیں حالانکہ یہ دونوں حدیث کی کتابیں نہیں ہیں۔

**چند نمازوں کا نمونہ**

1۔ ماہ صفر کی پہلی رات نماز عشاء کے بعد ہر مسلمان کو چاہیے کہ چار رکعت نماز پڑھے۔ طریقہ کار یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون پندرہ دفعہ پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص پندرہ مرتبہ پڑھے اور سلام کے بعد چند بار إياك نعبد و إياك نستعين پڑھے۔ پھر 70 بار درود شریف پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑا ثواب عطا کرے گا اور اسے ہر بلا سے محفوظ رکھے گا۔

2۔ صفر کے آخری بدھ صبح کے بعد غسل کرے اور چاشت کے وقت دو رکعت نماز نفل پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد کے بعد گیارہ گیارہ دفعہ قل هو الله أحد پڑھے اور سلام پھیر کر یہ درود شریف 70 دفعہ پڑھے:

اللهم صل على محمد النبي الأمي وعلى آله و أصحابه و بارك وسلم

اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

اللهم صرف عنى سوا هذا اليوم واعصمنى من سوته و نجنى عما أصاب فيه من نحو ساته وكرباته بفضلك يَا

دَافِعَ الشُّرُوْرِ وَمَالِكَ النُّشور يا أَرحم الراحمين وصلى الله على محمد و آله الامجاد وبارك وسلم

مندرجہ بالا تمام عبادات کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔

کسی صحیح حدیث ان نمازوں کا کوئی ثبوت نہیں ملتا جب احادیث سے صحیح سند کوئی چیز ثابت نہیں ہے یہ نمازیں اور یہ طریقہ غیر شرعی ہو گا۔

**ماہ صفر کا آخری بدھ:**

1۔ کئی لوگوں کے خیال میں ماہ صفر کا آخری بدھ منحوس ہے جبکہ امام صاغانی ﷫ اور ابن الجوزی ﷫ نے اسے موضوع (من گھڑت) قرار دیا ہے اور اسکی کوئی اصل نہیں۔

2۔ صفر کے آخری بدھ کی نسبت یہ بات مشہور ہے کہ اس دن نبی اکرم ﷺ کو بیماری سے نجات اور صحت ملی انہوں نے غسل صحت فرمایا اور سیر و سیاحت کے لیے شہر سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ اس لیے بعض لوگ اس عمل کو سنت نبوی سمجھتے ہوئے آخری بدھ کو کاروبار بند کر کے خوبصورت کپڑے پہن کر سیر و سیاحت کے لیے نکل جاتے ہیں پارکوں اور کھیتوں میں سیر و سیاحت کے بعد جب گھر لوٹتے ہیں تو شیرینی حلوہ پوری بناتے ہیں یا گندم کو ابال کر بچوں اور غرباء میں تقسیم کرتے ہیں یہ سب کام ثواب گردانتے ہوئے کرتے ہیں اور اپنے آپ کو محب رسول کا ٹھیکیدار سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کام من گھڑت اور خود ساختہ ہیں قرآن و حدیث کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

3۔ ماہ صفر کے آخری بدھ کے بارے میں حضرت احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ:

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں جو ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ (بدھ) کے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ اس روز رسول کریم نے مرض سے صحت پائی تھی بنا بریں اس روز کھانا و شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا اور جنگل کی سیر کو جانا کیسا ہے؟

**جواب:** ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ (بدھ) کی کوئی حقیقت اور اصل نہیں نہ اس میں حضور کے صحت پانے کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی اس کی ابتداء اس دن سے بتائی جاتی ہے اور اسے نحس سمجھ کر مٹی کے برتنوں کو توڑ دینا گناہ اور اضاعت مال ہے بہر حال یہ سب باتیں بالکل بے اصل اور بے معنی ہے۔ (احکام شریعت: حصہ دوم صفحہ 194،193)

گھر کو آگ لگی گھر کے چراغ سے

حضرت احمد رضا کے اس فتویٰ سے معلوم ہوا کہ صفر کے آخری بدھ کو سیر و سیاحت کے لیے خاص کر لینا اور اسے ثواب گردان کر درجات کی بلندی حاصل کرنا درست نہیں۔ آپ نے سیر و سیاحت کرنی ہے تو روزانہ کریں اس کے صحت پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں نہ کریں تو بھی کوئی حرج نہیں۔ ہاں اسے کسی خاص دن ثواب کی نیت سے شریعت سمجھ کر کرنا درست نہیں ہے۔

**ماہ صفر کی شرعی حیثیت**

اسلامی سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں سے چار حرمت والے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّـهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّـهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ (سورۃ التوبہ:36)

"بلاشبہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد جب سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے کتاب الٰہی میں بارہ ہی ہے (اور) ان میں سے چار (مہینے) حرمت کے ہیں۔"

ان کو پیدا کرنے والی ذات اللہ رب العزت کی ذات ہے وہی ان کا مالک و خالق ہے اور وہی ذات اس میں تصرف کر سکتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (سورۃ الاعراف:54)

"(لوگو، جان لو کہ) اسی کے لئے (خاص) ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔"

ان بارہ مہینوں میں سے ایک صفر کا مہینہ ہے جو اسلامی سال کا دوسرا مہینہ ہے۔

اس ماہ کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ جس چیز کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے وہ حکم ہم بجالائیں اور جن سے منع فرمایا ہے ان سے اجتناب کریں۔

جو بدعات اس ماہ میں ہوتی ہیں ان سے بچیں کیونکہ بدعات و خرافات یہ ایسے اعمال ہیں جو دنیا میں بھی ہمارے لیے نقصان کا باعث ہیں اور کل قیامت کے دن بھی خسارے کا سبب ہو گا۔ میرے بھائیو اس ماہ کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ جن کاموں کا حکم ہے وہ کر ڈالیں اور جن سے منع کیا گیا ہے ان سے رک جائیں۔

**کیا صفر کا مہینہ نحوست والا ہے؟**

کوئی بھی وقت کوئی بھی دن کوئی بھی ہفتہ کوئی بھی ماہ اور کوئی بھی سال نحوست والا نہیں ہے۔

اگر کسی کا یہ عقیدہ ہے تو یہ عقیدہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور باطل عقیدہ ہے۔

اس بارے میں قرآن و حدیث سے بہت زیادہ دلائل ہمیں ملتے ہیں جیسا کہ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

«لاَ عَدْوَى ، وَلاَ طِيَرَةَ ، وَلاَ هَامَةَ ، وَلاَ صَفَرَ» (صحیح بخاری: 164/7)

"کوئی بیماری متعدی نہیں، نہ بد شگونی ہے نہ مردے کی کھوپڑی سے الو نکلتا ہے نہ صفر کا مہینہ منحوس ہے۔"

اس فرمان رسول سے ہمارا محل استشہاد یہ ہے کہ صفر کی کوئی حقیقت و حیثیت نہیں ہے۔ اور (ولا صفر) کے علماء نے تین مفہوم بیان کئے ہیں۔

**پہلا مفہوم:** پہلا مفہوم یہ ہے کہ صفر کا مہینہ منحوس نہیں۔ جیسا کہ اہل عرب اس کو منحوس گردانتے تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں اب تک بعض لوگ صفر کے مہینے کو نحوست والا سمجھتے ہیں اور خصوصاً پہلے تیرہ دنوں کو تیزی کا نام دیکر نحوست محسوس کرتے ہیں۔

اور حقیقت بات یہ ہے کہ یہ دن ہفتہ سال اور مہینے سب اللہ نے بنائے ہیں ان میں سے کوئی بھی منحوس نہیں ہوتا نفع و نقصان تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس میں کسی مہینے کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

**دوسرا مفہوم:** (ولا صفر) کا ایک مطلب علماء نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم نے ولا صفر فرما کر اہل عرب

کے اس نظریے کی تردید کی ہے جو ان کے درمیان مشہور و معروف تھا کہ پیٹ میں ایک کیڑا ہوتا ہے جس کو عرب صفر کے نام سے پکارا کرتے تھے جس کی وجہ سے انسان کو بھوک لگتی تھی اور جب اندر سے کاٹنا شروع کر دیتا تھا تو انسان مر جاتا تھا۔ اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

**تیسرا مفہوم:** (ولاصفر) کا ایک مطلب یہ ہے کہ عربوں میں جو (نسیٔ) کا طریقہ تھا آپ نے اس کا رد فرمایا ہے نسیٔ یہ تھی کہ اہل عرب حرمت والے چار مہینوں کو آگے پیچھے کر لیتے تھے۔

یعنی جب ان کو کسی حرمت والے مہینے میں لوٹ مار اور لڑائی کرنی ہوتی تو اس مہینے میں لڑائی اور لوٹ مار کر کے آگے والے مہینے کو حرمت والا بنا لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے اس عقیدہ کا بھی رد کر دیا۔

معزز قارئین کرام یہ سب عقائد باطل ہیں ان کا تعلق قرآن و حدیث سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ کسی چیز کے ذریعہ بدشگونی لینا یہ بنی اسرائیل کا فعل تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ قوم موسی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَـٰذِهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ ۗ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللَّـهِ وَلَـٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (سورة الاعراف: 131)

"لیکن جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارا حق ہے (کہ ہماری کوشش کا نتیجہ ہے) اور اگر انہیں بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو (اپنے لئے) منحوس ٹھہراتے حالانکہ درحقیقت ان کی نحوست تو اللہ کے پاس تھی لیکن ان میں سے اکثر کو (یہ حقیقت) معلوم نہ تھی۔"

قارئین کرام! آج بھی اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے گا تو اس کا رد اس حدیث سے کیا جائیگا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یعنی حدیث قدسی ہے۔

«قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ بِيَدِي الأَمْرُ أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ» صحیح بخاری: 6/166)

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آدم کا بیٹا مجھے تکلیف دیتا ہے جب وہ زمانہ (دن، رات، مہینے، ہفتہ، سال) کو گالی دیتا ہے حالانکہ زمانہ میں ہوں بادشاہت میرے ہاتھ میں ہے۔ اور میں ہی دن اور رات کو بدلتا ہوں۔"

اس حدیث سے معلوم یہ ہوا کہ زمانہ کو گالی دینا اور برا بھلا کہنا یہ کام اللہ کو تکلیف دینے کا باعث ہے۔

**ماہ صفر میں نحوست کا رد:**

اگر کوئی شخص نحوست لیتا ہے تو اس کا تقدیر پر ایمان نہیں ہے بلکہ اس کا ایمان تو دنوں اور مہینوں پر ہے۔ اور جس شخص کا ایمان تقدیر پر نہیں ہے اس کا ایمان ناقص اور نامکمل ہے۔ کیونکہ تقدیر ایمان کا ایک حصہ ہے۔ اور جو شخص تقدیر کو جھٹلائے اس کے بارے میں آپ ﷺ نے بہت بڑی وعید سنائی ہے۔

«سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ لَعَنَهُمُ اللهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ كَانَ الزَّائِدُ فِي كِتَابِ اللهِ وَالْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللهِ»

(جامع ترمذی: 8/307)

"آپ ﷺ نے فرمایا: 6 آدمی ایسے ہیں جن پر میری لعنت ہے، اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور سابقہ تمام انبیاء کی بھی لعنت ہے۔ ان میں سے پہلا: کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا۔ دوسرا: تقدیر کو جھٹلانے والا۔"

اور یہ نحوست والا کام اس حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں آپ نے فرمایا ستر ہزار آدمی میری امت کے بغیر حساب و کتاب کے جنت میں جائیں گے۔ ان کا ایک کام یہ ہو گا کہ وہ نحوست اور بدشگونی والا عقیدہ نہیں رکھتے ہونگے۔ (صحیح مسلم)

**ماہ صفر تاریخ کے تناظر میں:**

ہم جب تاریخ کے تناظر میں ماہ صفر کو دیکھتے ہیں تو ہمیں کہیں بھی یہ نظر نہیں آتا کہ اس مہینے کی نحوست اہل اسلام کے راستے کی دیوار بنی ہو اور انہیں خسارہ و نقصان یا شکست و ریخت سے دوچار ہونا پڑا ہو بلکہ کتب تاریخ پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت اظہر من الشمس دکھائی دیتی ہے کہ اس مہینے میں کئی ایسے کارہائے رونما ہوئے اور انجام کو پہنچے جو آج تک اسلام اور اہل اسلام کے لیے فخر کا باعث ہیں اور ہمارے لیے قدوہ اور اسوہ حسنہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر ماہ صفر کی کوئی نحوست ہوتی تو اس قدر خوشی کے مواقع میسر نہیں آنے چاہیے تھے۔

مثلاً: کفار سے لڑائی کی اجازت بالفاظ دیگر جہاد کا حکم اور آغاز سن دو ہجری ماہ صفر میں ہوا۔ صفر دو ہجری ہی میں غزوہ ابوا یا ودان پیش آیا یہ پہلی فوجی مہم تھی جس میں رسول اکرم بنفس نفیس شامل تھے۔ اسی طرح یکم صفر 12 ہجری کو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ایرانی سپہ سالار قارن بن قریانسی کے مابین جنگ مذار (عراق) لڑی گئی جس میں ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اور 30 ہزار ایرانی مارے گئے۔

ماہ صفر کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس میں کسری کا مکمل غرور خاک میں ملا اور دنیائے کفر کی بڑی طاقت ایران شکست و ریخت سے دوچار ہوئی۔

چنانچہ 26 صفر 16ھ کو جمعۃ المبارک کے دن سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مدائن کو فتح کیا۔ کسری کے قصر ابیض (وائٹ ہاوس) میں مبنر رکھا اور نماز جمعہ ادا کیا۔ یہاں اس سرزمین پر پہلا جمعہ تھا۔

یکم صفر 99ھ کو خلیفہ سلیمان بن عبد المالک فوت ہوا اور سیدنا عمر بن عبد العزیز خلافت پر فائز ہوئے۔ صفر میں شروع ہونے والی خلافت کس قدر شاندار رہی۔

23 مارچ 1940 کو جب قرارداد لاہور میں پاکستان کا مطالبہ کیا گیا تو یہ صفر کا مہینہ تھا۔ اگر یہ منحوس تھا تو پاکستان کو وجود میں نہیں آنا چاہیے تھا۔ 28 مئی 1998ء کو پانچ ایٹمی دھماکے کر کے پاکستان دنیا کی پہلی اسلامی ایٹمی طاقت بن گیا۔ تاریخ دانوں کو یاد ہو گا کہ اسی دن ماہ صفر کا بھی آغاز ہو رہا تھا۔ اور اس کی یکم تاریخ تھی۔

کیا ماہ صفر کی نحوست کا عقیدہ رکھنے والے ایٹمی دھماکوں اور پاکستان کے پہلی اسلامی ایٹمی طاقت کے آغاز کو بھی نحوست قرار دیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق دے اور اپنے دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

## سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کرامت

سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی لیلی روایت کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ گرمیوں میں موٹا لباس زیب تن کرتے اور سردیوں میں ایک چادر بطور ازار کے اور ایک بطور قمیص کے اوپر لے لیتے، لوگوں کو بسا اوقات حیرت ہوتی کہ شیر خدا سردیوں میں گرمی کا اور گرمیوں میں سردی کا لباس زیب تن کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ چنانچہ انہوں نے ایک مرتبہ سیدنا عبدالرحمٰن سے کہا کہ آپ کے والد محترم ابی لیلیٰ اکثر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملتے ہیں اور بات چیت کرتے ہیں، اس لیے کبھی اس کا سبب بھی پوچھنے کی گزارش کریں۔ چنانچہ ان کے والد نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس کا سبب دریافت کیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، کیا آپ غزوہ خیبر میں شریک تھے؟ ابی لیلیٰ نے کہا کہ ہاں میں آپ کے ساتھ ہی تھا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس مہم پر بھیجا تھا مگر وہ اس غزوہ کو فتح نہ کر سکے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا سپہ سالار بنا کر بھیجا اور وہ بھی فتح نہ کر سکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

میں اب ایک ایسے شخص کے ہاتھ یہ پرچم دوں گا جو اس کا فاتح ہو گا اور وہ جنگ سے راہ فرار بھی اختیار کرنے والا نہیں ہے۔! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب کیا اور اس وقت میری آنکھوں میں شدید درد تھا اور مجھے اس وقت کچھ نظر بھی نہیں آ رہا تھا چنانچہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری حالت دیکھی تو میری آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور یہ دعا دی:

اللّٰهُمَّ اكفه الحر والبرد

"اے اللہ! سردی اور گرمی سے ان کی حفاظت فرما۔"

چنانچہ اس دن سے آج تک مجھے سردی اور گرمی نے نقصان نہیں پہنچایا، اس لیے میں سردی میں گرمی کے اور گرمی میں سردی کے کپڑے پہن لیتا ہوں۔ (مجمع الزوائد: 9/122)

محدث ابو موسیٰ المدینی نے الطاف من دقائق المعارف میں کہا ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے۔

## سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی کرامت

سیدنا وائل بن علقہ روایت کرتے ہیں کہ میری موجودگی میں ایک آدمی نے اعلان کیا کہ کیا اس مجمع میں حسین بن علی رضی اللہ عنہما ہیں؟ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہاں میں موجود ہوں تو اس بدبخت آدمی نے کہا کہ میں اسے آگ کی بشارت دیتا ہوں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ

میں اللہ کریم سے جنت کی بشارت کی امید کرتا ہوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی شفاعت کی امید کرتا ہوں۔ کیونکہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہوں۔ اس بدبخت کا نام ابن جویرہ تھا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بددعا کہ

اے اللہ اسے آگ میں دھکیل۔ چنانچہ جب وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا تو اس کا گھوڑا لے کر سرپٹ دوڑا، اسی طریقہ سے کہ وہ گھوڑے سے گر گیا، صرف اس کی ٹانگ گھوڑے کی رکاب میں پھنس گئی اور وہ کہیں گر کر تباہ و ہلاک ہو گیا اور واصل جہنم ہو گیا۔ (مجمع الزوائد: جلد 9، حدیث نمبر: 139)

## سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا سچا خواب

فلفلہ جعفی روایت کرتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک خواب بیان کر رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عرش سے لٹک رہے ہیں اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پہلو پکڑے ہوئے ہیں اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پہلوؤں کو پکڑے ہوئے ہیں۔ اور آسمان سے زمین پر خون گر رہا ہے، کسی نے پوچھا کہ کیا تم اپنے اس خواب میں اپنے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھتے؟ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

میری یہ خواہش ہوتی کہ میں اپنے والد کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھامے دیکھتا مگر یہ خواب تھا جتنا میں نے دیکھا، اتنا بیان کیا۔ دراصل لوگ جن کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے غلو کی حد تک محبت ہوتی ہے، ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہر چیز میں جھوٹ کو شامل کریں، اب اس خواب میں چونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے تو ان لوگوں کو بڑی تشویش ہوئی کہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نام اس میں کیوں چھوٹ گیا ہے، اگر ان کے اختیار میں کوئی بات ہوتی تو وہ ضرور جھوٹ اس میں شامل کر دیتے مگر یہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، وہ ایسا غلط خواب بیان نہیں کر سکتے جو انہوں نے دیکھا بیان کر دیا، خواہ لوگوں کو اچھا لگے کہ برا۔ (مجمع الزوائد: جلد 9 صفحہ: 96)

امام طبرانی نے الاوسط اور الکبیر میں اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

## سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا خواب

کثیر صلت روایت کرتے ہیں کہ جس دن سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، اس دن ان کو تھوڑی نیند آ

گئی جب بیدار ہوئے تو کہنے لگے کہ اگر لوگوں سے اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ میری اس بات کو لوگوں میں پھیلائیں گے کہ میں بھی خود فتنہ کی خواہش کرتا تھا تو میں آپ لوگوں کو اپنا خواب بیان کر دیتا، لوگوں نے اصرار کیا کہ

اے امیر المؤمنین! آپ بیان کر دیجیے، ہم اس بات کو لوگوں میں نہیں پھلائیں گے، تب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

ابھی کچھ دیر کے لیے میری آنکھ لگ گئی تھی تو میں نے خواب دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ

عثمان آج جمعہ کے دن ہماری آپ سے ملاقات ہو گی۔

(مستدرک حاکم: جلد 3 حدیث نمبر:99)

محدث حاکم نے مستدرک علی الصحیحین میں اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔

### سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی کرامت

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں جنازہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ان کے آگے تھا، رحمٰن کا عرش ان کی وفات پر ہل گیا یعنی جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی روح مبارک وہاں پہنچی تو خوشی کے مارے رحمٰن کا عرش ہل گیا۔ (جامع ترمذی: 3848)

شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح الترمذی میں اسے صحیح کہا ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

انہوں نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقوں نے کہا کہ کیا ہلکا جنازہ ہے اور یہ طعن انہوں نے اس لیے کیا کہ سعد نے حکم کیا تھا کہ قتل ونہب کا پھر جب خبر پہنچی، اس کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ نے فرمایا: ملائکہ اس کو اٹھا رہے تھے۔

تشریح: بنی قریظہ کے یہود ایک قلعہ میں محبوس تھے، لشکر اسلام نے ان کو گھیر اتھا اور وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر راضی ہوئے اور سعد رضی اللہ عنہ نے یہ حکم کیا کہ ان کے جوان مقاتلین قتل ہوں اور مال ان کا مسلمان میں تقسیم ہو اور عورتیں و اطفال غلام ولونڈی بنیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فیصلہ کو بہت پسند فرمایا اور اسی پر عمل ہوا، اس پر منافقوں نے جل کر یہ طعن کیا کہ ان کا جنازہ کیسا ہلکا ہے، ان احمقوں کو یہ خبر نہ تھی کہ ملائکہ اٹھائے ہوئے ہیں۔

(جامع ترمذی: 3849)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح غریب کہا ہے۔

☆☆☆

### انحطاط

آیا بڑھاپا اور جوانی چلی گئی ... تازہ تھی عمر بھر جو کہانی چلی گئی
چہرے پر جھریاں ہیں ملاحت چلی گئی ... رُخ سے بھی تازگی وبشاشت چلی گئی
آنکھوں میں پردہ آیا بصارت چلی گئی ... پیاروں کو دیکھنے کی بھی طاقت چلی گئی
کانوں میں ضعف آ گیا، طاقت چلی گئی ... طاقت گئی تو ساتھ، سماعت چلی گئی
زلفیں سیاہ تھیں شب دیجوز کی طرح ... چاندی سی ہو گئیں وہ نضارت چلی گئی
ہاتھوں میں رعشہ آ گیا، کمزور ہیں قویٰ ... ضعف آیا لکھنے پڑھنے کی عادت چلی گئی
حملہ ہوا ہے دل پہ، ہے ٹینشن دماغ میں ... دونوں نے شمع گل کی حرارت چلی گئی
جن کے بغیر مرتے تھے، مشکل تھی زندگی ... پہچاننے کی ان کو ذکاوت چلی گئی
ایسڈیٹی اور ہارٹ کی برننگ بھی بڑھ گئی ... اب کچھ بھی کھانے پینے کی چاہت چلی گئی
کھائی ہیں ایسی اینٹی بائیٹک کی گولیاں ... باقی دوائیں کھانے کی ہمت چلی گئی
لمحاتِ زندگی جو ہیں نعمت ہیں بس وہی ... نیکی کرو قبل اس کے، یہ نعمت چلی گئی
جو بھی عروج ہو گا، زوال اس کو ہے ضرور ... ثاقب نہ کہنا عمر کی مہلت چلی گئی

ڈاکٹر محمد عبد الرب ثاقب، ڈوڈلی

## عربی زبان سیکھنے کا حکم

سوال: کیا عربی زبان سیکھنا ہر مسلمان پر لازم ہے؟

جواب: اصل چیز جو لازم کی گئی ہے وہ ہے حصول علم۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: «طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ» (بحوالہ معجم الطبرانی)

”اور سب سے اعلیٰ اور قابل شرف علم، توحید باری تعالیٰ کو جاننا اور دین کے احکامات سے آگاہی حاصل کرنا ہے تاکہ اس پر عمل پیرا ہوا جاسکے۔“

عام آدمی کے لئے عربی زبان سے اتنی واقفیت ہونی چاہیے کہ وہ نماز میں لازمی طور پر تلاوت کی جانے والی سورت یعنی سورۃ الفاتحہ، رکوع و سجود کی تسبیحات، تشہد اور صیغہ درود کو سمجھ کر پڑھ سکے۔ چونکہ اس نے اپنی نماز میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ کسی اور سورت کو بھی ملا کر پڑھنا ہے اس لئے چند قصار سُور یعنی آخری پارے کی وہ سورتیں جو سورۃ والضحیٰ سے شروع ہوتی ہیں اور والناس پر ختم ہوتی ہیں۔

ان کے معانی کا بھی علم ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ قرآن و حدیث کو صحیح طریقے سے سمجھنے کے لئے گو اپنی زبان میں موجود تراجم سے مدد لی جاسکتی ہے لیکن پھر بھی ہر شخص کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق عربی زبان کی تحصیل میں لگا رہنا چاہیے تاکہ وہ شریعت کے ان دونوں مصادر کو بلا واسطہ سمجھ سکے۔ البتہ امامت اور دعوت دین سے وابستہ لوگوں کے لئے تو عربی زبان کا سیکھنا لازمی ہے کہ انہیں علی وجہ البصیرۃ لوگوں کی رہنمائی کرنی ہے تو وہ اگر عربی زبان نہیں جانتے تو وہ دین کو صحیح طریق سے سمجھ نہ پائیں گے اور ایسے لوگ پھر دوسروں کی رہنمائی کا فریضہ بخوبی انجام نہیں دے سکتے۔

## ایک مسجد میں دو نماز جمعہ کرانے کا حکم

سؤال: ہمارے محلے کی مسجد میں 2 جماعتیں کرائی جاتی ہیں، میرے لئے دوسری جمعہ جماعت میں حاضری زیادہ آسانی رہتی ہے کہ اس میں پہلی جماعت کے مقابلے میں اژدھام کم ہوتا ہے اور میری فیملی بھی اسی جماعت میں جانے کی خواہش رکھتی ہے؟

جواب: برطانیہ کی اکثر مساجد میں اب 2 جماعتوں کا چلن ہوتا جارہا ہے۔ یہ ایک خوش آئند صورت تو نہیں ہے لیکن ضرورت کی بنا پر اس کے جواز کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔ ضرورت اس بنا پر کہ جمعہ کی حاضری میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور مسجد کی جگہ محدود ہونے کی بنا پر تمام لوگوں کو بیک وقت جگہ مہیا نہیں کی جاسکتی اور پھر یہاں کے موسمی حالات (بارش کی کثرت، موسم سرما میں شدید سردی اور برفباری) کی بنا پر مسجد کے باہر کھلی جگہ پر نماز ادا کرنے میں کبھی مشقت پائی جاتی ہے اور یہ بھی ان مساجد میں جہاں باہر کھلی جگہ پائی جاتی ہو، وگرنہ آبادی سے گھری مساجد میں تو کھلی جگہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

میں نے شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی حیات میں ان سے اسی سوال کے بارے میں رہنمائی چاہی تھی تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ اگر دوسری جماعت کے لئے اسی مسجد میں دوسرا ہال استعمال کر لیا جائے تو بہتر ہے لیکن عموماً یہی ہوتا ہے کہ لوگوں کی کثرت کی بنا پر دوسری جماعت میں بھی دوسرا ہال (اگر موجود ہو) تو اُسے استعمال کرنے کے بغیر چارہ نہیں ہوتا، اس لئے دوسری جماعت کو بربنائے ضرورت جائز تو روا رکھا جائے گا لیکن آپ کی کوشش ہونی چاہئے کہ آپ پہلی جماعت میں شریک ہوں۔ اس کے لئے آپ کو وقت سے پہلے جانا ہوگا تاکہ مسجد میں جگہ مل سکے، اس لئے کہ پہلی جماعت کی صحت کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں البتہ کبھی کبھار اگر تاخیر ہو جائے تو پھر دوسری جماعت کا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

## خلع لینے کے بعد بیمار خاوند کی خدمت کا حکم

سؤال: ایک خاتون اپنے شوہر سے خلع لینا چاہتی ہے۔ شوہر بیمار ہے اور ذہنی اعتبار سے نسیان کی حد تک پہنچ چکا ہے، اسے بہر صورت ایک خدمتگار کی ضرورت ہے، خاتون یہ جاننا چاہتی ہیں کہ میں خلع تو لے لوں گی اور دوسری شادی بھی کر لوں گی لیکن اس مرد کے خدمتگار کی حیثیت سے باقی رہنا چاہتی ہوں؟

جواب: ہم یہاں اس پوزیشن میں نہیں کہ یہ فیصلہ کر سکیں کہ آیا آپ کے لئے خلع لینے کے اسباب قابل قبول ہیں یا نہیں؟ اس لئے ہم اپنے جواب کو آپ کے سوال تک محدود رکھتے ہیں۔

بعد از خلع آپ کی حیثیت ایک اجنبی عورت کی سی ہے، آپ کے سابقہ شوہر سے آپ کا کوئی رشتہ نہیں ہے اور ایک خدمت گار کی حیثیت سے آپ کی اس کے ساتھ خلوت بھی رہے گی اور جسمانی لحاظ سے خدمت بھی درکار ہوگی اور یہ دونوں باتیں آپ کے لیے جائز نہیں۔

سائلہ یہ کہہ سکتی ہے کہ کیا ہسپتال میں نرسیں ایسے مریضوں کی دیکھ بھال نہیں کرتیں تو یہ ایک علیحدہ سے موضوع ہے کہ آیا نرس کے طور پر ایک خاتون کا ہونا ہی لازمی ہے؟ یا مردوں کے لئے مرد نرس کو نہیں رکھا جاسکتا؟ ہو سکتا ہے کہ ہسپتال میں بربنائے ضرورت ایک خاتون نرس کو ایک بیمار مرد کی خدمت پر مامور کیا گیا ہو لیکن یہاں تو آپ کو اختیار حاصل ہے، کوئی مجبوری تو نہیں ہے کہ خلع کے بعد ہر صورت آپ اس کی خدمت کرتی رہیں اور اگر اس کا اتنا ہی خیال ہے تو اپنی طلب خلع پر نظر ثانی کر لیں۔

**والدہ سے ملاقات کے لیے ناراض بھائی کا وقت مقرر کرنا**

سوال: میری اپنے بھائی سے ناچاقی ہے، والدہ اس کے پاس رہائش پذیر ہیں۔ میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا

ہوں لیکن بھائی نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ تم صرف صبح فلاں فلاں وقت آسکتے ہو جب کہ میں گھر پر موجود ہوں۔ مجھے یہ منظور نہیں کہ وہ اس طرح مجھ پر دھونس جمائے اور میرے لیے وہ وقت مقرر کرے جو میرے لئے مناسب نہیں اور اگر اس کی ہٹ دھرمی کے باعث ماں سے مل نہ سکوں تو کیا میں گناہگار ہوں گا؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اپنے بھائی سے صلح صفائی کی کوشش کریں۔ آپس کی رنجشیں جو قطع رحمی کا باعث ہوں وہ انسان کی عاقبت خراب کر دیتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ اس وقت دو طرح کی کیفیات سے نبرد آزما ہیں۔ ایک تو ماں کے حق کی فکر ہے جسے آپ نے ہر صورت نبھانا ہے چاہے حالات خوش کن ہوں یا پریشان کن، اور دوسری کیفیت یہ ہے کہ اگر آپ بھائی کے مقرر کردہ وقت کو قبول کر لیتے ہیں تو آپ کی انا مجروح ہوتی ہے اور آپ اسے اپنی حق تلفی سمجھتے ہوئے انکار کر دیتے ہیں۔

یہاں ایک فقہی قاعدہ سے مدد لی جا سکتی ہے کہ ایک مسئلہ میں 2 دلیلیں پائی جاتی ہوں تو آپ کو ان دونوں میں سے قوی ترین دلیل کو اختیار کرنا چاہیے۔

یعنی ایک دلیل تو ماں کے حق سے متعلق ہے جسے پورا کرنا آپ کا فرض ہے، قرآن و حدیث میں والدین اور خاص طور پر ماں کے حق کی صریحاً تاکید کی گئی ہے۔ فرض کیجئے، ماں ہسپتال میں زیر علاج ہے اور ہسپتال کے قواعد و ضوابط کے مطابق آپ خاص اوقات ہی میں ان سے ملاقات کے لئے جا سکتے ہیں تو آپ نہ چاہتے ہوئے بھی ان ضوابط کی پابندی کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اور بالمقابل دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ کی حق تلفی ہوئی ہے، آپ کو حق پہنچتا ہے کہ بھائی کی لگائی ہوئی پابندی کو رد کر دیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اپنی ماں کو دیکھ نہ سکیں گے اور اگر آپ زبردستی اپنی مرضی کے اوقات میں والدہ سے ملنے جائیں گے تو بھائی کی عداوت مزید بڑھک اُٹھے گی اور ہو سکتا ہے کہ وہ دھینگا مشتی پر اتر آئے، بادی النظر میں پہلی صورت قوی دکھائی دیتی ہے کہ اس میں گو آپ کی انا مجروح ہوگی لیکن آپ اپنی والدہ سے ملاقات کر پائیں گے اور ہو سکتا ہے آپ کا یہ فعل آپ کے بھائی کو اصلاح احوال پر آمادہ کر سکے۔ لیکن اگر آپ اس کی بات ماننے سے انکار کر دیتے ہیں تو قطع رحمی کے مرتکب ہوں گے۔ اب یہ آپ کا فیصلہ ہے کہ آپ ان دونوں باتوں میں سے کس کو اختیار کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

☆☆☆

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیماری خود بخود متعدی نہیں ہوتی، بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں ہے، نہ ہی مردوں پر الّو بولتے ہیں، اور نہ ہی صفر کے مہینے میں کوئی نحوست ہے، کوڑھی کے مریض سے ایسے ہی دور رہو جیسے شیر سے دور بھاگتے ہو۔" (صحیح بخاری: 5387 ؛ صحیح مسلم: 2220)

شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں کہتے ہیں: "حدیث میں مذکور 'صفر' کی شرح میں متعدد اقوال ہیں: **پہلا قول:** اس سے مراد ماہِ صفر ہی ہے، اور عرب اس مہینے کو منحوس بھی سمجھتے تھے۔ **دوسرا قول:** یہ پیٹ کی ایک بیماری ہے جو کہ اونٹوں کو لاحق ہو کر پورے باڑے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس صورت میں یہ متعدی بیماری کی اقسام میں سے ایک قسم شمار ہوگی۔ **تیسرا قول:** اس سے مراد صفر کے مہینے کیساتھ ہونے والی تقدیم و تاخیر ہے جسے شرعی اصطلاح میں "نسیء" کے نام سے جانا جاتا ہے، جس میں ماہِ محرم کی حرمت کو صفر تک مؤخر کر دیا جاتا، اور اس طرح کبھی صفر کو حرمت والا مہینہ شمار کرتے اور کبھی عام مہینہ ہی رہنے دیتے۔

ان تینوں اقوال میں سے پہلا موقف سب سے راجح ہے، کیونکہ دورِ جاہلیت میں لوگ صفر کے مہینے کو منحوس سمجھتے تھے۔

حالانکہ تقدیری معاملات میں وقت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، اس لئے ماہِ صفر بھی دیگر اوقات میں سے ایک وقت ہے، اس میں اچھائی برائی سب کچھ معمول کے مطابق ہوتا ہے۔

دوسری جانب کچھ لوگ ماہِ صفر میں کچھ کام مکمل کریں تو بطور تاریخ لکھتے ہوئے کہتے ہیں: مثال کے طور پر: "25 صفر المظفر کو یہ کام مکمل ہوا" یہ صفر کیساتھ مظفر کا لاحقہ بھی بدعت کا علاج بدعت سے کرنے کے زمرے میں آتا ہے، کیونکہ ماہ صفر کو کسی بھی اچھے یا برے کام کیساتھ منسلک نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کے پاس کسی نے الّو کی آواز سنی تو کہنے والے نے کہا: "ان شاء اللہ خیر ہوگی" تو انہوں نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہ: یہاں خیر و شر کی بات ہی نہیں کرنی چاہیے، الّو بھی بقیہ پرندوں کی طرح ہی بولتا ہے، اسے خیر و شر کا کیا علم۔

چنانچہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چار چیزوں کی تردید فرمائی ہے ان تمام کا نچوڑ یہ ہے کہ توکل و اعتماد صرف اللہ تعالی پر ہو، اور اگر کسی کو ان میں سے کوئی بھی چیز درپیش ہو جائے تو کسی صورت میں بھی کام کرنے سے گریز مت کرے بلکہ اللہ تعالی پر اعتماد کرتے ہوئے کام کو نمٹا دے۔

لیکن اگر پھر بھی کوئی مسلمان ان چیزوں کو خاطر میں لے آئے تو اس کی دو میں سے ایک حالت ہوگی:

**پہلی حالت:** اگر ان چیزوں کو دیکھ کر پیش قدمی کرے یا گریز کرے تو ایسی صورت میں اس نے اپنے کاموں کو ایسے امور سے منسلک کر دیا ہے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ **دوسری حالت:** ایسی باتوں کی طرف دھیان نہ دے، لیکن پھر بھی اس کے دل میں کھٹکا لگا رہے، یہ حالت اگرچہ پہلی سے کمتر ہے، لیکن پھر بھی اس بات کو یقینی بنائے کہ ان چیزوں کی طرف مطلق طور پر بالکل بھی توجہ نہ دے، اور اپنا اعتماد و بھروسہ صرف اللہ تعالی پر رکھے۔

اس حدیث میں ان چار چیزوں کے وجود کی نفی نہیں ہے؛ کیونکہ یہ چیزیں موجود ہیں، حسی طور پر نظر آتی ہیں، لیکن یہاں پر نفی ان کے مؤثر ہونے کی ہے؛ کیونکہ تاثیر پیدا کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے، لہٰذا اس حدیث میں اس بات کی نفی ہے کہ یہ چیزیں خود بخود ایسا کر سکتی ہوں، ہاں مگر جب تک اللہ کی منشا اس میں شامل حال نہ ہو۔"

(مجموع فتاوی الشیخ ابن عثیمین: 2 / 113،115)

**اذان اور اقامت کے متعلق**

**حدیث نمبر:61**

عَنْ أنس بن مالك رضي الله عَنْه قال : «أُمِرَ بِلالٌ أَنْ يَشْفَعَ الأَذَانَ، وَيُوتِرَ الإِقَامَةَ». (رواه البخاري، كتاب الأذان، باب الأذان مثنى مثنى، برقم 605، وفيه: «... ويوتر الإقامة إلا الإقامة»، ومسلم، كتاب الصلاة، باب الأمر بشفع الأذان وإيتار الإقامة، برقم 378)

**حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ**

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان دہری کہے اور اقامت اکہری ۔(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

**حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی**

1 : اُمِرَ: حکم دیا گیا۔

2 : اَنْ يَّشْفَعَ: کہ دوہری / دوہرا یعنی ہر کلمے کو دو دو بار کہنا۔

3 :يُوْتِرَ الْاِقَامَةَ: تکبیر اکہری / اکہرا یعنی کلمہ کو ایک ایک بار کہنا۔

**حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام**

1۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب یہ کہیں کہ ہمیں یا فلاں کو حکم دیا گیا ہے اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوتا ہے اور ایسی احادیث محدثین کی اصطلاح میں حکما مرفوع ہوتی ہیں۔ مرفوع اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے۔

2۔ راجح قول کے مطابق با جماعت نماز کے لئے اذان دینا فرض کفایہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں مذکور ہے:

"فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ اَحَدُكُم

"چاہئے کہ تمہارے لئے تم میں سے کوئی ایک اذان دے۔"البتہ بعض اہل علم کے نزدیک یہ سنت ہے۔

3۔ آذان مسلمانوں کی بستی کا شعار یعنی علامت ہے کہ یہ بستی مسلمانوں کی ہے۔

4۔ آذان نماز کے لیے شرط نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ اگر نماز سے پہلے اذان نہ ہوئی ہو تو وہ نماز ہی درست نہیں جیسے وضو نماز کے لیے شرط ہے بغیر وضوء کے نماز نہیں ہوتی ہے۔

5۔اذان کا حکم مردوں کے لئے مخصوص ہے عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ بیہقی میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ روایت مذکور ہے:

لَيْسَ عَلَى النِّسَآءِ اَذَانٌ وَّلَا اِقَامَةٌ

"عورتوں کے ذمے نہ اذان ہے اور نہ ہی اقامت۔"

6۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان پندرہ جملوں پر اور اقامت گیارہ جملوں پر مشتمل ہوتی۔اذان میں پہلے 4 مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ 2مرتبہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ، 2مرتبہ اَشْهَدُاَنّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ،2 مرتبہ حَیّ عَلَى الصَّلَاةِ پھر 2مرتبہ حَیّ عَلَى الْفَلَاح پھر 2مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرْ اور ایک مرتبہ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ، کہا جاتا ہے۔جبکہ اقامت میں 2مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ایک مرتبہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ ایک مرتبہ اَشْهَدُ اَنّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ،ایک مرتبہ حَیّ عَلَى الصلوٰةِ ایک مرتبہ حَیّ عَلَى الْفَلَاح 2مرتبہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوْةِ 2مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور آخر میں ایک مرتبہ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا جاتا ہے۔

7۔ ترجیع یعنی دہری اذان دینا بھی جائز ہے اور وہ اس طرح ہوتی ہے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلَهَ اِلَّا اللّٰهِ ،اور اَشْهَدُ اَنّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پہلے قدرے آہستہ آواز میں دو دو مرتبہ کہا جاتا ہے اور پھر بلند آواز میں دہرایا جاتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اس طرح اذان دینے کی تلقین کی تھی۔ باقی کلمات سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی آذان کی طرح ہی ہیں۔

8:اذان کے کلمات یہ ہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَر
اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَر
اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ
اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ
اَشْهَدُاَنّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه
اَشْهَدُ اَنّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه
حَیّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَیّ عَلَى الصَّلَاةِ
حَیّ عَلَى الْفَلَاح ، حَیّ عَلَى الْفَلَاح
اَللّٰهُ اَكْبَرْ اَللّٰهُ اَكْبَرْ
لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ

9:اقامت کے کلمات یہ ہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ
اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ
اَشْهَدُ اَنّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ
حَیّ عَلَى الصَّلَاةِ
حَیّ عَلَى الْفَلَاح
قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ
قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ

اَللّٰهُ اَکْبَرْ اَللّٰهُ اَکْبَرْ

لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ

10۔ اذان میں حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کے وقت گردن کو دائیں اور بائیں پھیرنا سنت ہے۔ البتہ گردن کے بجائے پورے جسم کو نہیں پھیرنا چاہئے کیونکہ حدیث میں صرف گردن کے پھیرنے کا ذکر ہے۔

11۔اذان کے لیے ایسے شخص کا انتخاب کرنا چاہیئے جس کی آواز خوبصورت اور بلند ہو۔

**حدیث نمبر:62**

عَنْ أبي جحيفة - وهب بن عبد الله السُّوَائِيّ - قال:«أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ - وَهُوَ فِي قُبَّةٍ لَهُ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ - قَالَ: فَخَرَجَ بِلالٌ بِوَضُوءٍ، فَمِنْ نَاضِحٍ وَنَائِلٍ، قَالَ:فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ وعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ، حتى كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِ سَاقَيْهِ، قَالَ : فَتَوَضَّأَ وَأَذَّنَ بِلالٌ. قَالَ : فَجَعَلْتُ أَتَتَبَّعُ فَاهُ هَهُنَا وَهَهُنَا، يَقُولُ - يَمِيناً وَشِمَالاً - : حَيّ عَلَى الصَّلاةِ، حَيّ عَلَى الْفَلاحِ، ثُمّ رُكِزَتْ لَهُ عَنَزَةٌ، فَتَقَدّمَ وَصَلّى الظُّهْرَ والعصر رَكْعَتَيْنِ. ثُمّ لم يَزَلْ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ حَتّى رَجَعَ إِلَى الْمَدِينَةِ».(رواه البخاري، كتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس، برقم 187، وهو مفرق، في مواضع، 376، 495، 499، 501، 633، 634، 3553، 3566، 5786، 5859، ومسلم، كتاب الصلاة، باب سترة المصلي 503)

**حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ**

سیدنا ابو جحیفہ وھب بن عبد اللہ سوائی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ سرخ رنگ کے چمڑے کے خیمے میں تشریف فرما تھے کہتے ہیں کہ

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ مؤذن پانی لے کر باہر نکلے بعض کو پانی کے چھینٹے میسر آئے اور بعض نے پانی پی لیا۔ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے سرخ رنگ کا چوغہ زیب تن کیا ہوا تھا گویا میں آپ کی پنڈلیوں کی سفیدی دیکھ رہا ہوں کہتے ہیں تو آپ نے وضو کیا اور بلال نے اذان دی کہتے ہیں کہ میں اس کے چہرے کو اِدھر اُدھر گھومتے دیکھنے لگا فرماتے ہیں کہ وہ حَيّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيّ عَلَى الْفَلَاحِ کہتے ہوئے دائیں بائیں چہرہ کرتے پھر آپ کے لیے زمین میں نیزہ گاڑ دیا گیا۔ آپ آگے بڑھے ظہر کی نماز دو رکعت پڑھی پھر آپ دو رکعت ہی پڑھتے رہے یہاں تک کہ مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

**حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی**

1 : قُبَّةٌ :خیمہ۔

2 : أَدَمٌ: أَدَمْ یا اُدَم رنگے ہوئے چمڑے کو کہتے ہیں۔

3 : حَمْرَآءُ:سرخ رنگ۔

4 :وَضُوْء: واؤ پر اگر زبر ہو تو اس کا معنی پانی ہوتا ہے۔

5 : فَمِنْ نَاضِحٍ وَنَائِلٍ:مراد اس جملے سے یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے وضو سے بچا ہوا پانی تبرک سمجھ کر حاصل کرنے لگے:بعض پانی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور بعض کے حصے میں صرف چھینٹے ہی آئے۔

6 : حُلَّةٌ:چوغہ۔

7 : اَتَتَبَّعُ فَاهُ هٰهُنَا وَهٰهُنَا:میں اس چہرہ ادھر سے اُدھر ہوتے دیکھنے لگا۔

8 : عَنَزَةٌ: نیزہ۔

9 : رَجَعَ: لوٹ آئے۔

**حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام**

1۔ مرد کے لیے سرخ رنگ کے کپڑے وغیرہ جائز ہیں بشرطیکہ خالص سرخ رنگ نہ ہو کیونکہ خالص سرخ رنگ مرد کو منع ہے۔

2۔ خیمہ اور مکان وغیرہ کو بھی سرخ رنگ کیا جاسکتا ہے۔

3:اذان کے دوران حَيّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيّ عَلَى الْفَلَاحِ کہتے ہوئے مؤذن اپنا چہرہ دائیں اور بائیں موڑے اس طرح آواز ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ مگر پورا جسم نہیں پھیرنا چاہئے صرف گردن موڑنی سنت ہے۔

4۔ دوران سفر نماز قصر پڑھنا سنت و مستحب ہے۔

5۔ امام کا نماز پڑھاتے ہوئے اپنے سامنے سترہ رکھنا مستحب عمل ہے۔

6۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ بے پناہ محبت تھی آپ کے وضوء کا بچا ہوا پانی حاصل کرنا وہ اپنے لئے سعادت و برکت سمجھتے تھے۔

7۔ نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی بھی شخص کے وضو سے بچے ہوئے پانی سے برکت حاصل کرنی جائز نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف نبی کریم ﷺ کے وضو کے پانی کو بطور برکت استعمال کرتے تھے اور آپ کے بعد ایسا معاملہ سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کے ساتھ نہیں کیا حالانکہ وہ امت میں سب افضل تھے۔

**ایک صالحہ خاتون کی وفات**

مولانا ابو الجمیل محمد یسین کی دختر اور ڈاکٹر عبد الصمد صمدانی فاضل کی ہمشیرہ محترمہ رشیدہ بیگم صدر مدرسہ نسوں بیر بن مشیر آباد، حیدر آباد دکن 90 سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ وہ طویل عرصہ مدرسہ کی صدر معلمہ ہیں اور خواتین کے ہفتہ وار اجتماعات سے خطاب کرتی رہیں۔ اپنی زندگی انہوں نے دعوت و تبلیغ کے لیے وقف کر دی تھی۔ وہ حاجی عزیز اللہ عثمانی بیرسٹر کی پھوپھی تھیں۔ اللہ کریم انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

انسان میں گناہوں اور رذائل کی جانب رغبت کا میلان موجود ہے، انسان میں نفس امارہ ہر لمحہ اسے گناہوں میں مبتلا کرنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ جب سلیم الفطرت انسان کسی گناہ یا غلط کام کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ یہ جان رہا ہوتا ہے کہ وہ غلط کام یا ظلم وزیادتی اور فسق وفجور کر رہا ہے، رسول اللہ ﷺ کے طریقے کی مخالفت کر رہا ہے اور اللہ کے فرامین سے بغاوت کرکے اس کے قہر وغضب کو دعوت دے رہا ہے۔ یوں وہ اپنی دنیا وآخرت دونوں کو تباہ وبرباد کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ شیطان کے وار، خواہشات کا غلبہ، گناہوں کی عارضی لذت، دنیا کی چکاچوند، جھوٹی اور کھوکھلی عزت کا نشہ اس کو گناہ کے ارتکاب کی طرف لے جاتے ہیں۔ گناہ کے ارتکاب کے وقت جب کبھی اس کا ضمیر ندا دیتا ہے تو وہ یہ کہہ کر ضمیر کو خاموش کرا دیتا ہے کہ ابھی بڑی عمر پڑی ہے، میں عنقریب توبہ کرلوں گا اور اس طرح موہوم اُمیدوں اور ناروا خیالات سے دل کو بہلاوا دیے رکھتا ہے اور گناہوں کی گہری دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔

درحقیقت گناہ انسان کے حق میں نہایت خطرناک ہیں۔ اس سے دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو جاتے ہیں اور گناہ کا اثر جسم میں زہر کی طرح سرایت کر جاتا ہے۔ آدم کے جنت سے نکلنے اور ابلیس کے ملعون ہونے کی وجہ بھی یہی گناہوں کی نحوست تھی۔ قومِ نوح اور عاد وثمود کو بھی گناہوں کی پاداش میں عذاب سے دوچار کیا گیا۔ گناہوں کے بے شمار برے اثرات اور نقصانات ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں:

**1۔ علم سے محرومی:** علم نورِ الٰہی ہے اور گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے انسان علم سے محروم ہو جاتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شكوت إلى وكيع سوء حفظي
فأرشدني إلى ترك المعاصي
وأخبرني بأن العلم نور
ونور الله لا يهدى لعاصي

”میں نے اپنے استاد وکیع سے کمزور حافظہ کی شکایت کی تو آپ نے مجھے ترک معاصی کی نصیحت فرمائی اور آپ نے یہ بتایا کہ علم ایک نور ہے اور اللہ کا نور گنہگار کو نہیں دیا جاتا۔“ (دیوانِ امام شافعی... قافیہ صاد: ص168)

**2۔ رزق میں تنگی:** گناہوں کا ایک اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کی روزی اور رزق میں تنگی آجاتی ہے۔ حصولِ رزق اور فراخئ معاش کے لیے ترکِ گناہ سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجعَل لَهُ مَخرَجًا 0 وَيَرزُقهُ مِن حَيثُ لا يَحتَسِبُ﴾ (سورۃ الطلاق:2-3)

"جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور گناہوں سے باز آجاتا ہے، اللہ اُس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اُس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔"

سیدنا ثوبان سے فرمانِ نبوی ﷺ مروی ہے:

«إن العبد ليحرمه الرزق بالذنب يصيبه»

”بے شک بندہ اپنے گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔“ (سنن ابن ماجہ:2022)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں:

﴿الشَّيطٰنُ يَعِدُكُمُ الفَقرَ﴾ (سورۃ البقرۃ:268)

”شیطان بلاشبہ تمہیں فقر کا وعدہ دیتا ہے۔۔۔“

**3۔ وحشتِ قلبی:** گناہگاروں اور اللہ کے درمیان دوری ہو جاتی ہے اور دل کا سکون نہیں ملتا:

﴿أَلا بِذِكرِ اللَّهِ تَطمَئِنُّ القُلوبُ﴾ (سورۃ الرعد:28)

”اللہ کی یاد سے ہی قرار پکڑتے ہیں۔“

لوگوں سے وحشت اور دوری ہوتی ہے، خاص طور پر اصلاح کرنے والوں سے۔ ان کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے اور میل ملاقات سے گناہ گار گریز کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بیوی بچوں اور اپنے اقربا سے وحشت ہو جاتی ہے۔

**4۔ مشکلات:** کاموں میں دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں جو آدمی اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے کام آسان کر دیتے ہیں۔ قرآن میں ہے:

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجعَل لَهُ مَخرَجًا﴾ (سورۃ الطلاق:2)

**5۔ ظلمات:** جس طرح رات کی تاریکی میں کچھ سجھائی نہیں دیتا، گناہ گار کی زندگی کے معاملات میں تاریکی ہو جاتی ہے، سمجھ نہیں آتا کہ وہ کیا کرے۔ طاعت و عبادت نور ہے اور گناہ تاریکی ہے۔ گناہ بڑھتے ہیں تو یہ تاریکی بھی بڑھتی جاتی ہے۔ جبکہ ایسا شخص جو اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا ہے، اللہ اس کے لیے ایک نور بنا دیتے ہیں جس سے وہ زندگی گزارتا ہے۔ اور گناہ گار اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہتا ہے۔ گناہوں کی تاریکی اور سیاہی اس کی آنکھوں، منہ اور چہرے پر چھا جاتی ہے۔

**6۔ گناہوں کا وبال:** چہرے پر سیاہی، دل اور قبر میں تاریکی، جسم میں کمزوری، رزق میں تنگی، مخلوق کے دل میں نفرت اور بزدلی کا آجانا وغیرہ، یہ سب

گناہوں کا وبال ہے:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اطاعت الٰہی ایک نور اور روشنی ہے جبکہ معصیت الٰہی ایک تاریکی اور اندھیرا ہے۔ چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں ہیں:

«إن للحسنة ضياء في الوجه ونورًا في القلب وسعة في الرزق وقوة في البدن ومحبة في قلوب الخلق وإن للسيئة سوادًا في الوجه وظلمة في القبر والقلب ووَهنا في البدن ونقصا في الرزق وبغضة في قلوب الخلق» (الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی از ابن قیم: ص58)

”جو شخص اللہ کی اطاعت اور فرمانبر داری میں کوشاں رہتا ہے ،اس کے چہرے پہ چمک دمک، دل میں نور، روزی میں فراخی ،بدن میں طاقت وقوت اور لوگوں کے دل میں اس کے لیے محبت و مودت ہوتی ہے اور جو شخص اطاعت الٰہی سے منہ موڑ کر نافرمانی اور طغیانی میں کوشاں رہتا ہے، اس کے چہرے پہ نحوست ،دل میں تاریکی ،قبر میں اندھیرا، بدن میں کمزوری، روزی میں کمی اور لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے حسد، بغض اور کینہ پیدا ہو جاتا ہے۔“

**7۔ جسم کمزور ہو جاتا ہے:** گناہوں کے ارتکاب سے عمر کم ہو جاتی اور جسم و دل کمزور ہو جاتا ہے۔ مؤمن کی قوت کا مدار اس کے دل کی قوت پر ہوتا ہے۔ اس کے دل کی قوت کی وجہ بھی اس کے جسم اور قویٰ مضبوط ہو جاتے ہیں جبکہ فاسق و فاجر کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اس کے قوی خواہ طاقتور ہی کیوں نہ ہوں، وہ بزدل اور کمزور ہوتا ہے اور بوقتِ ضرورت اس کی جسمانی طاقت بے کار ہو جاتی ہے۔

**8۔ گناہوں میں زیادتی:** اسی طرح ایک گناہ دوسرے گناہ کا راستہ کھولتا ہے۔ گناہ گار کے لئے نیکی پر عمل کرنا مشکل اور گناہوں کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔

**9۔ عمر میں کمی:** گناہ عمر تباہ کر دیتے اور عمر کی برکتیں چھین جاتی ہیں۔ انسان کی عمر سانس لینے کا نام نہیں بلکہ دل زندہ سے ہی زندگی ہوتی ہے۔ دلِ مردہ کو اللہ نے بھی مردہ کہا ہے:

﴿أَموتٌ غَيرُ أَحياءٍ﴾ (سورۃ النحل: 21)

”مردہ ہیں نہ کہ زندہ۔“

نیکی کرنے والے کے لیے طاعت وعبادات کا پورا لشکر موجود رہتا ہے۔ وہ اسے قوی کر دیتا ہے جبکہ گناہ کرنے والے کے لیے معصیت اور گناہوں کا لشکر ہے، نیکی کرنے والے کے لشکر کے پیچھے اللہ کی فرشتوں کے ذریعے مدد ہوتی ہے جبکہ گناہ کرنے والے کے پیچھے شیطان اور اس کا ٹولہ ہوتا ہے۔

**10۔ توبہ کی توفیق کا نہ ہونا:** گناہ گار کو توبہ کی توفیق کم کم ہوتی ہے۔ جس طرح مقروض شخص، قرض دینے والے شخص سے دور بھاگتا ہے جب اس کے پاس ادائیگی کا انتظام نہ ہو، اسی طرح اللہ کا نافرمان اللہ کا سامنا کرنے سے گھبراتا ہے۔ انسان کا دل کمزور ہو جاتا ہے۔ وہ توبہ کا ارادہ کرتا ہے، توبہ کرتا بھی ہے، لیکن اس پر قائم نہیں رہ سکتا۔ توبہ کی زبانی تکرار کے باوجود گناہوں پر اس کا اصرار جاری رکھتا ہے او ریہی اصرار آخر کار گناہِ صغیرہ کو بھی گناہ کبیرہ بنا دیتا ہے۔

**11۔ گناہ پر فخر:** گناہ کی نفرت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ لوگوں کی موجودگی میں بے باک و برملا ارتکابِ معصیت کرتا ہے بلکہ اپنے گناہوں کو فخر و غرور کے ساتھ بیان کرتا ہے، گناہوں کو اس طرح کھلم کھلا کرنے والوں کے لئے زبان رسالت سے سنگین وعید ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

« كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلاَّ الْمُجَاهِرِينَ ، وَإِنَّ مِنَ الْمَجَانَةِ أَنْ يَعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ عَمَلاً، ثُمَّ يُصْبِحَ وَقَدْ سَتَرَهُ اللَّهُ ، فَيَقُولَ يَا فُلاَنُ عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا، وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللَّهِ عَنْهُ»

”میری تمام امت کو معاف کیا جائے گا سوائے گناہوں کو کھلم کھلا کرنے والوں کے اور گناہوں کو کھلم کھلا کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ ایک شخص رات کو کوئی (گناہ کا) کام کرے اور اس کے باوجود کہ اللہ نے اس کے گناہ کو چھپا دیا ہے مگر صبح ہونے پر وہ کہنے لگے کہ اے فلاں! میں نے کل رات فلاں فلاں برا کام کیا تھا۔ رات گزر گئی تھی اور اس کے ربّ نے اس کے گناہ چھپائے رکھا، لیکن جب صبح ہوئی تو وہ خود اللہ کے پردے کھولنے لگا۔“ (صحیح بخاری: 6069)

**12۔ گناہوں سے نفرت کا ختم ہونا:** گناہوں کی نفرت ختم ہو جاتی ہے۔ بڑے سے بڑا گناہ بھی اس کی نظر میں چھوٹا محسوس ہوتا اور اسے ہلاک کر دیتا ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ، وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلَى أَنْفِهِ». فَقَالَ بِهِ هَكَذَا (صحیح بخاری: 6308)

”مؤمن اپنے گناہ کے بارے میں اس طرح پریشان ہوتا ہے گویا کہ وہ پہاڑ کے عین نیچے موجود ہے اور اسے اپنے اوپر پہاڑ کے گرنے کا خوف لاحق ہے، جبکہ کافر و فاجر اپنے گناہ کو ایک مکھی کی مانند ہلکا خیال کرتا ہے جو اس کے ناک پر بیٹھی اور یوں اپنے ہاتھ سے اس نے اس مکھی کو اُڑا دیا۔“

**13۔ گناہوں کی نحوست کا دوسروں پر اثر:** انسانوں کو نہیں بلکہ جانوروں تک کو برباد کر دیتی ہے۔ قومِ نوح پر عذاب آیا تو جانور بھی ختم ہو گئے۔ بارش رک جاتی

ہے جبکہ استغفار کے ساتھ بارش ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے استغفار کا نتیجہ بارشوں کے نزول وبرکت کو قرار دیا ہے:

﴿فَقُلتُ استَغفِروا رَبَّكُم إِنَّهُ كانَ غَفّارًا ٥يُرسِلِ السَّماءَ عَلَيكُم مِدرارًا ﴾

"میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا۔" (سورۃ نوح: 10-11)

**14۔ گناہ، باعثِ ذلت:** تمام عزتیں طاعتِ الٰہی سے ہوتی ہیں، فرمان باری ہے:

﴿مَن كانَ يُريدُ العِزَّةَ فَلِلَّهِ العِزَّةُ جَميعًا ﴾ (سورۃ فاطر: 10)

"جو کوئی عزت چاہتا ہو اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ عزت ساری کی ساری اللہ کی ہے۔"

نیکی باعث عزت ہے۔ جو اللہ کے نزدیک ہوتا ہے، وہی عزت والا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال انبیاء علیہم السلام ہیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ایک سنت (قربانی) پر دنیا کی اکثریت آج بھی عمل کرتی ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کو غیر مسلم بھی دنیا کے سو بڑے آدمیوں میں پہلے نمبر پر جگہ دینے پر مجبور ہیں۔

**15۔ عقل کا جاتے رہنا:** گناہ عقل کو ختم کر دیتے ہیں۔ کیونکہ عقل اگر موجود ہوتی تو اسے گناہ سے باز کیوں نہ رکھتی۔ انسان اللہ کی مخلوق ہے، اس کے گھر کائنات میں رہتا ہے۔ اس کا رزق کھا رہا ہے۔ اللہ اسے خود دیکھ رہا ہے۔ ہدایت اسے روک رہی ہے۔ موت اور جہنم اس کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اگر وہ حقیقتاً عقل والا ہوتا تو گناہ کیوں کرتا؟ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّما يَتَذَكَّرُ أُولُوا الأَلبٰبِ﴾ (سورۃ الزمر: 9)

"نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں۔"

**16۔ دل کا مقفل ہونا:** دل پر مہر لگ جاتی اور وہ غافل وبے خبر ہو جاتا ہے۔ جب انسان ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے اور پھر گناہ پر اصرار کی وجہ سے آخر سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی، اسے کہتے ہیں:

﴿خَتَمَ اللَّهُ عَلىٰ قُلوبِهِم وَعَلىٰ سَمعِهِم﴾ (سورۃ البقرۃ: 7)

"اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے۔"

﴿كَلّا ۖ بَل ۜ رانَ عَلىٰ قُلوبِهِم ما كانوا يَكسِبونَ ﴾ (سورۃ المطففین: 14)

"ہرگز نہیں، بلکہ دراصل اِن لوگوں کے دلوں پر اِن کے برے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے۔"

﴿ثُمَّ قَسَت قُلوبُكُم مِن بَعدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالحِجارَةِ أَو أَشَدُّ قَسوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الحِجارَةِ لَما يَتَفَجَّرُ مِنهُ الأَنهٰرُ ۚ وَإِنَّ مِنها لَما يَشَّقَّقُ فَيَخرُجُ مِنهُ الماءُ ۚ وَإِنَّ مِنها لَما يَهبِطُ مِن خَشيَةِ اللَّهِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغٰفِلٍ عَمّا تَعمَلونَ ﴾ (سورۃ البقرۃ: 74)

"مگر ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی آخر کار تمہارے دل سخت ہوگئے، پتھروں کی طرف سخت، بلکہ سختی میں کچھ ان سے بھی بڑھے ہوئے، کیونکہ پتھروں میں سے تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس میں سے چشمے پھوٹ بہتے ہیں، کوئی پھٹتا ہے اور اس میں سے پانی نکل آتا ہے اور کوئی خدا کے خوف سے لرز کر گر بھی پڑتا ہے اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے۔"

اور پھر انسان کا ازلی دشمن شیطان پوری قوت سے اس پر غالب آجاتا ہے اور اسے جہاں چاہتا ہے، ہانک کرلے جاتا ہے۔

**17۔ لعنت کا مستحق ہونا:** گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے گناہگار لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے بعض گناہوں پر لعنت فرمائی ہے۔ جیسے قرآنِ مجید میں حق چھپانے والوں کے لیے ہے:

﴿يَلعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلعَنُهُمُ اللّٰعِنونَ﴾

"اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی اُن پر لعنت بھیجتے ہیں۔" (سورۃ البقرۃ: 159)

اور حدیث میں ہے کہ سود لینے، دینے، لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر آپ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے۔ (صحیح مسلم: 1598) حلالہ کرنے اور کرانے پر لعنت کی وعید ہے۔ (جامع ترمذی: 1120) ایسی عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت اختیار کریں۔ (صحیح بخاری: 5886) گودنے والی، گدوانے والی، ابروں کے بال نوچنے والی، نچوانے والی پر، خاوند کے بستر سے علیحدہ ہونے والی پر لعنت ہے۔ (مسند احمد: 1/415)

**18۔ رحمت سے دوری:** گناہ گار اللہ کی رحمتوں اور فرشتوں کی دعا سے محروم رہ جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذينَ يَحمِلونَ العَرشَ وَمَن حَولَهُ يُسَبِّحونَ بِحَمدِ رَبِّهِم وَيُؤمِنونَ بِهِ وَيَستَغفِرونَ لِلَّذينَ ءامَنوا رَبَّنا وَسِعتَ كُلَّ شَيءٍ رَحمَةً وَعِلمًا فَاغفِر لِلَّذينَ تابوا وَاتَّبَعوا سَبيلَكَ وَقِهِم عَذابَ الجَحيمِ ٥ رَبَّنا وَأَدخِلهُم جَنّٰتِ عَدنٍ الَّتى وَعَدتَهُم وَمَن صَلَحَ مِن ءابائِهِم وَأَزوٰجِهِم وَذُرِّيّٰتِهِم ۚ إِنَّكَ أَنتَ العَزيزُ الحَكيمُ ٥ وَقِهِمُ السَّيِّـٔاتِ ۚ وَمَن تَقِ السَّيِّـٔاتِ﴾ (سورۃ غافر: 7-9)

"عرش الٰہی کے حامل فرشتے اور وہ جو عرش کے گردو پیش حاضر رہتے ہیں، سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہے ہیں وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرتے

ہیں ،وہ کہتے ہیں:"اے ہمارے ربّ! تو اپنی رحمت اور اپنے علم کے ساتھ ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، پس معاف کر دے اور عذاب دوزخ سے بچا لے اُن لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی ہے اور تیر اراستہ اختیار کرلیاہے۔اے ہمارے رب!اور داخل کر اُن کو ہمیشہ رہنے والی اُن جنتوں میں جن کا تونے اُن سے وعدہ کیا ہے، اور اُن کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں سے جو صالح ہوں (اُن کو بھی وہاں اُن کے ساتھ پہنچا دے) تو بلا شبہ قادر مطلق اور حکیم ہے اور بچا دے اُن کو برائیوں سے۔"

**19۔عذابِ الٰہی کی وعید:** آپ ﷺ کو خواب میں مختلف گناہوں کے عذاب دکھائے گئے۔ سیدنا سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے تفصیلی حدیث مروی ہے، جس میں گناہوں کے ارتکاب پر مختلف سزائیں آپ کو دکھائی گئیں: جن میں قرآن کو بھلانے والا، نماز کا تارک، زناکار مرد اور عورتیں اور پتھر نگلنے والے سود خور کی سزاؤں کا تذکرہ ہے۔ (صحیح بخاری: 7047)

**20. دنیاوی آفتیں:** ﴿ظَهَرَ الفَسادُ فِي البَرِّ وَالبَحرِ بِما كَسَبَت أَيدِي النّاسِ لِيُذيقَهُم بَعضَ الَّذي عَمِلوا لَعَلَّهُم يَرجِعونَ﴾ (سورۃالروم: 41)

"خشکی اور تری میں فساد برپاہو گیاہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزا چکھائے اُن کو ان کے بعض اعمال کا،شاید کہ وہ باز آئیں۔"

یہ تو دنیا کے عذاب کا حال ہے جو کہ گناہوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ تمام اعمال کی سزادی جائے تو زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہے، آبادیاں دھنس جاتی ہیں۔ زلزلے آتے ہیں۔ بارش نہیں ہوتی اور قحط پڑ جاتا ہے۔ اسی بنا پر قومِ ثمود کی آبادیوں سے روتے ہوئے جلدی نکلنے کا حکم دیا گیا۔

**21۔ جسموں پر اثرات:** سیدنا آدم علیہ السلام کا قد ابتدا میں 60 ذراع تھا، آج یہ قد کتنا مختصر رہ گیا۔ دوسری طرف سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر اتنی برکت ہوگی کہ ایک انار سے ایک جماعت سیر ہو جائے گی۔ ایک بکری کا دودھ پوری جماعت کو سیر اب کر دے گا۔

﴿وَأَلَّوِ استَقاموا عَلَى الطَّريقَةِ لَأَسقَيناهُم ماءً غَدَقًا﴾ (سورۃ الجن: 16)

"اور (اے نبی ﷺ، کہو، مجھ پر یہ وحی بھی کی گئی ہے کہ) لوگ اگر راہِ راست پر ثابت قدمی سے چلتے تو ہم اُنہیں خوب سیر اب کرتے۔"

شیطان جب انسانوں پر مسلط ہوتا ہے تو عمر، عمل، قول و فعل، رزق اور اس کی برکتیں ختم ہو جاتی ہے۔ یہ دنیا کی سزا ہے جبکہ آخرت میں گناہگاروں کے لیے جہنم اور اس کے عذاب منتظر ہوں گے۔

**22۔ غیرت کا خاتمہ:** گناہ گار کی گناہوں کے خلاف غیرت ختم ہو جاتی ہے جبکہ یہ غیرت کی حرارت قلب کو اس طرح صاف کرتی ہے جیسے آگ کی بھٹی سونے چاندی کی میل ختم کرتی ہے۔ حدیث میں ہے:

«أتعجبون من غيرة سعد؟ والله لأنا أغير منه والله أغير مني» (صحیح بخاری: 6846)

دوسری حدیث میں ہے:

«لا أحد أغير من الله، من أجل ذلك حرّم الفواحش ما ظهر منها وما بطن» (صحیح بخاری: 1417)

"اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں ہے اور اسی لیے اس نے ظاہری وباطنی فواحش کو حرام ٹھہرایا۔"

«يا أمة محمد! ما أحد أغير من الله أن تزني عبده أوتزني أمته» (صحیح بخاری: 5251)

"اے اُمّتِ محمد! (روے کائنات پر) اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو غیرت نہیں آتی جب اس کا کوئی بندہ یا اللہ کی بندی زنا کا ارتکاب کرتے ہیں۔"

ایک طرف گناہوں کے خلاف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غیرت کا یہ عالم ہے اور دوسری طرف گناہگار کسی گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ بھینس اور بیل جس طرح اپنے سینگوں سے اپنی اور بچوں کی دشمن سے حفاظت کرتے ہیں، غیرت انسان کے لئے یہی درجہ رکھتی ہے۔ یہ سینگ ٹوٹ جائیں تو پھر شیطان کی صورت میں ازلی دشمن حملہ آور ہو جاتا ہے۔

**23۔ حیا کا ختم ہو جانا:** گناہوں کی وجہ سے حیا ختم ہو جاتی ہے جبکہ: « الحياء خير كله» (صحیح مسلم:37)

حدیث میں ہے:«إذا لم تستحي فاصنع ما شئت» (صحیح بخاری: 6120)

بے حیائی اور بے غیرتی جہاں ہوگی، گناہ لازم ہوں گے مگر جب انسان اللہ سے حیا اور شرم کرتا ہے اور گناہوں سے پرہیز کرتا ہے تو اللہ بھی سزا دینے میں شرم کرے گا۔

**24۔دل میں اللہ کی عظمت کم ہونا:** اللہ کی عظمت کم ہو جاتی ہے، تب ہی تو انسان گناہ کرتا ہے۔ اللہ کی محرمات کی اہمیت نہ رہی تو دل پر پردہ پڑ جاتا اور مہر لگ جاتی ہے۔ جب انسان اللہ کو بھول جاتا ہے تو اللہ اُنہیں بھول جاتا ہے۔ اُنہیں برباد کر دیتا ہے ذلت و رسوائی ان کا مقدر ہو جاتی ہے، جن لوگوں نے اللہ کے اوامر و احکام کو برباد کیا، وہ اللہ کے عتاب کا نشانہ بنتے ہیں اور﴿وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَما لَهُ مِن مُكرِمٍ﴾ (سورۃالحج: 18)

"سے اللہ ذلیل (برباد) کرے اللہ کوئی عزت نہیں دے سکتا۔"

**25۔اللہ کے ہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی:**

﴿وَلا تَكونوا كَالَّذينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنساهُم أَنفُسَهُم ۚ أُولٰئِكَ هُمُ الفاسِقونَ﴾ (سورۃ

الحشر: 19)

"اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے اُنہیں خود اپنا نفس بھلا دیا، یہی لوگ فاسق ہیں۔"

اللہ بڑا بے نیاز ہے جبکہ بندہ ہر لمحے اس کا محتاج ہے۔ پھر وہ اس کے ذکر سے کیسے غافل رہ سکتا ہے اور اگر غافل رہتا ہے تو اپنی جان پر خود ظلم کرتا ہے، کیونکہ اللہ تو اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں۔

**26انسان احسان کے درجے سے گر جاتا ہے:** احسان کیا ہے؟ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

«أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك»

اللہ کی موجودگی کا احساس انسان کو گناہ سے روکتا ہے۔ دل میں ذکر الٰہی، اللہ کی محبت اور گناہ پر گرفت کا خوف ہو، یہ یقین کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو وہ انسان اللہ کی نافرمانی سے قبل اور بعد کئی مرتبہ پریشان وپشیمان ہوتا ہے۔ اے اللہ کے بندو! اپنے آپ کو گناہ سے بچاؤ کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

**27۔ اللہ کی مدافعت سے محرومی:** گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام اعزاز واکرام سے محرومی ہو جاتی ہے جو وہ اپنے بندے پر کرنا چاہتا ہے کیونکہ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُدَٰفِعُ عَنِ الَّذِينَ ءَامَنُوا﴾ (سورۃ الحج: 38)

" یقیناً اللہ مدافعت کرتا ہے اُن لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں۔"

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ (سورۃ لقمان: 18)

"اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔"

اللہ کی دوستی (ولایت) سے محرومی ہوتی ہے: ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ ءَامَنُوا﴾

**اجر عظیم سے محرومی :** ﴿وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (سورۃ النساء: 146)

صحبتِ الٰہی سے: ﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَٰئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ ءَامَنُوا﴾ (سورۃ الانفال: 12)

عزّو تکریم سے محرومی: ﴿فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا﴾

رفع درجات سے محرومی: ﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَٰتٍ﴾ (سورۃ المجادلہ: 11)

"اللہ تمہیں کشادگی بخشے گا اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔"

یہ تمام انعاماتِ جلیلہ صرف اللہ کے بندوں کو حاصل ہوتے ہیں اور اللہ کے نافرمان ان سے محروم کر دیے جاتے ہیں۔ نیکوکاروں کو اللہ جل جلالہ نور ہدایت عطا کرتا ہے: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ﴾ (سورۃ فصلت: 44)

"اِن سے کہو یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے تو ہدایت اور شفا ہے۔"

اسی طرح نیکی کے راستے پر چلنا مشکل ہو جاتا ہے، اللہ کے راستے پر پختگی اور دوام کا قصد دل کی کمزوری کی وجہ سے مشکل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نبی مکرم ﷺ اپنی دعا میں پناہ مانگا کرتے تھے:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الهَمِّ وَالحَزَنِ، وَالعَجْزِ وَالكَسَلِ، وَالبُخْلِ، وَالجُبْنِ، وَضَلَعِ الدَّيْنِ، وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ»

"اے اللہ! تیری پناہ میں آتا ہوں فکر و غم اور کمزوری و سستی سے، بزدلی و بخیلی سے اور قرض کے بوجھ سے اور لوگوں کے غلبہ سے۔" (صحیح بخاری: 6363)

جهد البلاء و درك الشقاء اور سوء القضاء و شماتة الأعداء دونوں، دونوں چیزیں باہمی قریب المعنیٰ ہیں۔ ان سے آپ پناہ مانگتے تھے۔ یہ تمام گناہ کے بد نتائج ہیں۔ جو اللہ کے انعامات اور خیر و عافیت سے انسان کو محروم کر دیتے ہیں۔

**28۔ اللہ کی سپردگی اور نیکی کے حصار سے محرومی:**

گناہ کی ایک وعید قرآن کریم میں یہ بیان ہوئی ہے:

﴿وَمَا أَصَٰبَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَن كَثِيرٍ﴾ (سورۃ الشوریٰ: 30)

"انسان پر آنے والی ہر مصیبت، اس کی اپنی کمائی کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ بہت سی خطاؤں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔"

ایک حدیثِ قدسی میں ربّ ذوالجلال کا ارشاد ہے:

«وعزتي وجلالي لا يكون عبد من عبيدي على ما أحب ثم ينتقل عنه إلى ما أكره إلا إنتقلت له مما يحب عبيدي الى ما يكره ولا يكون عبد من عبيدي على ما أكره فينتقل عنه الى ما أحب الا إنتقلت له مما يكره الى ما يحب»

"مجھے میری عزت اور جلال کی قسم! جب میرا کوئی بندہ وہ کام کرتا ہے جو مجھے محبوب ہے۔ اور پھر وہ اسے چھوڑ کر ایسا کام کرتا ہے جو مجھے ناپسند ہے تو میں بھی اس کی محبوب چیز سے اس کو محروم کر دیتا ہوں اور جو اسے مکروہ و ناپسند ہے، اس کی طرف اسے منتقل کر دیتا ہوں۔ اور جب میرا بندہ کوئی مکروہ اور ناپسندیدہ کام کرتا ہے اور اُسے چھوڑ کر پھر ایسا کام کرنے لگتا ہے جو مجھے محبوب ہے تو میں اسے اس کی ناپسندیدہ چیز سے الگ کر کے اس کی محبوب پسندیدہ

چیز کی طرف لے جاتا ہوں۔" (الداء والدواء از حافظ ابن قیم... فصل 34: ص 113)

اللہ کی اطاعت ایک مضبوط قلعہ ہے۔ جس میں اسے اللہ کی طرف سے حفاظت میسر ہوتی ہے۔ نافرمان کو یہ حفاظت میسر نہیں ہوتی۔ وہ خوف زدہ اور مرعوب ہوتا ہے۔ جیسے نیکی، انسان کو قوی کرتی ہے تو گناہ دل کو کمزور اور خوف زدہ کرتا ہے۔

**29۔ دل بیمار ہو جاتا ہے:** اس کی بیماری لاعلاج ہوتی ہے۔ نہ دوا، نہ خوراک فائدہ دیتی ہے۔ اس کا علاج صرف گناہ چھوڑ کر نیکی کرنا ہی ہے۔

**30۔ روزِ محشر چہرہ سیاہ ہو گا:** جس قدر گناہ ہوتے ہیں وہ قلبِ سیاہ سے جسم اور اعضا کی طرف آتے ہیں اور انسان کے چہرے کو بھی سیاہ اور تاریک کر دیتے ہیں۔ یہی سپیدی و سیاہی روز قیامت بھی چہروں پر نمایاں ہو گی: ﴿يَومَ تَبيَضُّ وُجوهٌ وَتَسوَدُّ وُجوهٌ﴾ (سورۃ آل عمران: 106)

"جبکہ کچھ لوگ سرخ رو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہو گا۔"

**31۔ قبر تاریک ہوتی ہے:** عالم برزخ میں گناہ گار کی قبر تاریک ہوتی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: « إِنَّ هَذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوءَةٌ ظُلْمَةً عَلَى أَهْلِهَا وَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ»

"یہ قبریں اہل قبور کے لیے اندھیروں سے بھری ہوئی ہیں اور میری نماز و دُعا سے ان قبروں میں روشنی ہو جاتی ہے۔" (صحیح مسلم:956)

**32۔ نفس ذلیل ہو جاتا ہے:** ﴿قَد أَفلَحَ مَن زَكّىٰها ۝ وَقَد خابَ مَن دَسّىٰها﴾ (سورۃ الشمس: 9-10)

"یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اُسکو دبا دیا۔"

ایسا شخص اللہ اور اس کی مخلوق میں ہی نہیں بلکہ اپنی نگاہ میں گر جاتا ہے۔ گناہ سے زیادہ ذلیل کرنیوالی کوئی چیز نہیں، جبکہ طاعت وعبادت سے زیادہ عزت دینے والی کوئی چیز نہیں۔

گناہ انسان شیطان اور خواہشات کا قیدی بن جاتا ہے، چنانچہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

«إن الشيطان ذئب الإنسان» "شیطان انسان کے لیے بھیڑیا ہے۔" جبکہ دنیا و آخرت کی آفات سے بچنے کے لیے تقویٰ ایک مضبوط قلعہ ہے۔ (سلسلة الاحاديث الضعيفة :3016، ضعيف الجامع الصغير :1477)

**33۔ اللہ اور بندوں کی نگاہ میں ذلیل ہوتا ہے:** اللہ کا انعام ہے کہ وہ اپنے نیک بندے کا ذکر خیر عام کر دے، اس کا نام بلند کر دے جیسا کہ نبی کریم کو اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ دیا:

﴿وَرَفَعنا لَكَ ذِكرَكَ﴾ (سورۃ انشراح: 4)

"اور جتنا کوئی نیک ہے، اتنا ہی نام بلند ہوتا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی اللہ عزوجل سے یہی دعا کی تھی:

﴿وَاجعَل لي لِسانَ صِدقٍ فِي الآخِرينَ﴾ (سورۃ الشعراء: 84)

اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انسان کے برے تذکرے کو انتہائی ناگوار قرار دیا ہے:

﴿بِئسَ الِاسمُ الفُسوقُ بَعدَ الإيمـٰنِ﴾ (سورۃ الحجرات: 11)

"سو گناہ گار کو لوگوں میں بُرے ناموں مثلاً فاسق، فاجر، کذاب وغیرہ سے یاد کیا جاتا ہے۔ ﴿وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَما لَهُ مِن مُكرِمٍ﴾ (سورۃ الحج: 18)

"جسے اللہ ذلیل کر دے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔"

**34۔ گناہ سے عقل انسانی خراب ہو جاتی ہے:** گناہ کی وجہ سے انسان پر اللہ کا قہر، غضب اور لعنت برستی ہے جیسے سود کھانے والے پر اللہ غضب ناک ہوتا ہے۔

﴿كَالَّذِي استَهوَتهُ الشَّيـٰطينُ فِي الأَرضِ حَيرانَ لَهُ أَصحـٰبٌ يَدعونَهُ إِلَى الهُدَى ائتِنا﴾ (سورۃ الانعام: 71)

"جسے شیطانوں نے صحرا میں بھٹکا دیا ہو اور وہ حیران و سر گرداں پھر رہا ہو درآں حالیکہ اس کے ساتھی اسے پکار رہے ہوں کہ اِدھر آ یہ سیدھی راہ موجود ہے؟" اور اللہ کی رحمت دور ہوتی ہے۔ بلاشبہ آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سکون، نفس کی راحت، دل کی تسکین اور روح کی لذت اللہ کی فرمانبرداری میں ہی ہے۔

**35۔ خیر کے تمام ذرائع ختم ہو جاتے ہیں:** کیونکہ اس کی اللہ سے دوری ہوتی ہے۔ اس پر شیطان کی حکومت جاری ہو جاتی ہے۔ انسانوں کا معمول ہے کہ بادشاہ کے دشمنوں سے جو دوستی کرتا ہے، وہ بھی بادشاہ کا دشمن ہی گردانا جاتا ہے۔ شیطان تو اللہ کا دشمن ہے اور ہمارا دشمن بھی۔ سو اللہ سے محبت کا تقاضا ہے کہ ہم بھی اس سے دشمنی رکھیں۔ حالانکہ شیطان سے اللہ کی دشمنی انسان کی وجہ سے ہے کہ اُس نے انسان کو سجدہ نہیں کیا۔ لیکن انسان غلط کار ہے کہ اسے دوست بناتا ہے۔ اللہ اپنے دشمنوں کے لیے خیر کے دروازے بند کر دیتا ہے۔

**36۔ رزق میں برکت ختم ہو جاتی ہے:** قرآن کریم میں اطاعت الٰہی کے ثمرات مختلف آیات میں یوں بیان ہوئے ہیں:

﴿وَلَو أَنَّ أَهلَ القُرىٰ ءامَنوا وَاتَّقَوا لَفَتَحنا عَلَيهِم بَرَكـٰتٍ مِنَ السَّماءِ وَالأَرضِ﴾ (سورۃ الاعراف: 96)

"اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔"

﴿وَأَلَّوِ استَقـٰموا عَلَى الطَّريقَةِ لَأَسقَينـٰهُم ماءً غَدَقًا﴾ (سورۃ الجن: 16)

”اور (اے نبی ﷺ، کہو، مجھ پر یہ وحی بھی کی گئی ہے کہ)لوگ اگر راہ راست پر ثابت قدمی سے چلتے تو ہم اُنہیں خوب سیر اب کرتے۔“

﴿لَأَكَلُوا مِن فَوۡقِهِمۡ وَمِن تَحۡتِ أَرۡجُلِهِمۚ مِّنۡهُمۡ أُمَّةٞ مُّقۡتَصِدَةٞۖ﴾ (سورۃ المائدہ: 66)

”تو اِن کے لیے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے ابلتا اگرچہ اِن میں کچھ لوگ راست رو بھی ہیں۔“

حدیثِ قدسی ہے جسے وہب بن منبہ نے اسرائیلیات میں سے بیان کیا ہے:

«إذا رضيتُ باركت وليس لبركتي منتهى وإذا غضبت لعنتُ ولعنتي تدرك السابع من الولد»

”جب میں کسی سے راضی ہو جاتا ہوں تو اس پر برکات کا نزول کرتا ہوں اور میری برکت کی کوئی انتہا نہیں۔ جب ناراض ہو جاؤں تو اس پر لعنت مسلط کر دی جاتی ہے اور میری لعنت کا وبال ساتویں پشت تک جاتا ہے۔“ (کتاب الزہد از امام احمد بن حنبل ص:88، الجواب الكافي لمن سأل عن الدواء الشافي: ص90)

معصیت سے رزق و عمر کی برکتیں اس لئے ختم ہوتی ہیں کہ گناہ اور اس کے کرنے والوں پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کھانے پینے، کپڑے پہننے اور سواری وغیرہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مشروع ہے۔ کیونکہ ذکر الٰہی سے شیطان بھاگ جاتا ہے اور برکت کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ ساری برکتیں وہیں سے ہیں، کیونکہ وہ خود برکت والا ﴿تَبَٰرَكَ ٱلَّذِي بِيَدِهِ ٱلۡمُلۡكُ﴾ (سورۃ الملک:1)

”اس کا رسول، اس کا بندہ، اس کا حکم اور ہر وہ چیز جس کی نسبت اللہ سے ہے بابرکت ہے۔ اور جس چیز کی نسبت غیر اللہ سے ہے، وہ برکت سے خالی ہوتی ہے:

« الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ مَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلَّا ذِكْرَ اللهِ وَمَا وَالَاهُ أَوْ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا» (سنن ابن ماجہ:4112)

”دنیا ملعون ہے۔ اس میں جو کچھ ہے سب ملعون ہے سوائے اللہ کے ذکر کے اور اس سے تعلق رکھنے والی اشیا کے عالم اور طالب علم کے۔“

**37. انسان اسفل السافلین میں سے ہو جاتا ہے:**

﴿ثُمَّ رَدَدۡنَٰهُ أَسۡفَلَ سَٰفِلِينَ﴾ (سورۃ التین: 5)

”پھر اُسے الٹا پھیر کر ہم نے سب نیچوں سے نیچ کر دیا۔“

حالانکہ انسان کی پہلی قسم کا شمار علیین میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

«جعلت الذلة والصغار علىٰ من خالف أمري»

”میرے حکم کی مخالفت کرنے والے ہر ذلت اور خواری لازم کر دی گئی ہے۔“ مسند احمد:2/50

غرض انسان جب گناہ کرتا ہے تو اپنے درجات سے گر جاتا اور مزید گرتا رہتا ہے، اور جب وہ اطاعتِ الٰہی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کا درجہ بلند ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ علیین تک پہنچ جاتا ہے۔ توبہ بعض اوقات اتنی وزنی ہو جاتی ہے کہ نیکی کا پلّہ جھک جاتا ہے۔ اگر وہ گناہ پر مُصر رہے تو بعض اوقات گناہ ہمّت توڑ دیتا ہے اور توبہ کی دوا بھی صحت تک پہنچنے کے لیے مدد نہیں کرتی۔

**38۔ گناہگار کے خلاف اللہ کی نافرمان مخلوق جری ہو جاتی ہے:** وہ اسے تکلیف اور ایذا دیتی ہیں، پھر شیطان بھی جری اور دلیر ہو جاتے ہیں اور انسانی شیطان بھی جری ہو جاتے ہیں۔ گھر کے لوگ، خدام، نوکر چاکر، بیوی اور اولاد اس کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ اس کا نفس بھی اس کے خلاف دلیر ہو جاتا ہے۔ وہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو نفس سرکش ہو جاتا ہے۔ اللہ کی اطاعت ایک مضبوط قلعہ ہے۔ جو بھی اس میں داخل ہوتا ہے، وہ ایک مضبوط قلعہ میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے باہر نکلتا ہے، ڈاکو رہزن اس پر حملہ کر دیتے ہیں۔

**39۔ گناہگار کا دل اس سے غداری کرتا ہے:** اس کا حال ایسا ہوتا ہے جیسے اس کے پاس تلوار تو موجود ہو مگر نیام میں زنگ آلود ہو۔ گناہوں سے دل زنگ آلود اور مفلوج ہو جاتا ہے۔ نفس امارہ تو بُرائی کا حکم دیتا ہی ہے، وہ شہوات و خواہشات اور گناہوں سے قوی، دلیر اور درندہ صفت بن جاتا ہے جبکہ نفس مطمئنہ تو مر چکتا ہے۔ ایسا شخص دنیا میں، اور برزخ میں مر چکا اور آخرت میں بھی اس کے لیے کوئی خیر نہیں۔

اس کے اعضا بھی اس سے غداری کرتے ہیں۔ اگر وہ اللہ کو یاد کرتا ہے تو دل ساتھ نہیں دیتا۔ زبان ذکر کرتی ہے تو دل غافل ہوتا ہے۔ یوں سمجھیں کہ ایک بادشاہ کے پاس لشکر تو ہے لیکن جب وہ اس لشکر سے دشمن سے مدافعت کرنا چاہتا ہے تو شکست کھا جاتا ہے۔

**39۔ حسن خاتمہ سے محرومی:** سب سے خوفناک بات یہ ہے کہ مرتے وقت اسے کلمہ کی توفیق نہیں ہوتی، کلمہ منہ سے نہیں نکلتا۔ دل اور زبان دونوں بے وفائی کرتے ہیں۔ خاتمہ بالخیر کی توفیق اسے ہی حاصل ہوتی ہے جو زندگی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا خوگر ہوتا ہے۔

**40۔ حق کی معرفت اور حق کو اختیار کرنے کی قوت سے محرومی:** اس پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے اور وہ نیک عمل نہیں کر سکتا۔ انسانی کمال کی بنیاد دو باتوں پر ہے:

﴿وَٱذۡكُرۡ عِبَٰدَنَآ إِبۡرَٰهِيمَ وَإِسۡحَٰقَ وَيَعۡقُوبَ أُوْلِي ٱلۡأَيۡدِي وَٱلۡأَبۡصَٰرِ﴾ (سورۃ

ص: 45)

"اور ہمارے بندوں، ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کا ذکر کرو۔ بڑی قوتِ عمل رکھنے والے اور دیدہ ور لوگ تھے۔"

'ذی الاید' سے مراد تنفیذ حق کی قوت اور 'ابصار' کا مطلب حق کی معرفت ہے۔ جبکہ انبیاء علیہم السلام میں یہ دونوں قوتیں موجود ہوتی ہیں جبکہ

﴿وَمَن يَعشُ عَن ذِكرِ الرَّحمـٰنِ نُقَيِّض لَهُ﴾ (سورۃ الزخرف: 36)

"جو شخص رحمٰن کے ذکر سے تغافل برتتا ہے، ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔"

﴿قَرينًا فَساءَ قَرينًا﴾ (سورۃ النساء: 38)

"اُسے بہت ہی بری رفاقت میسر آئی۔"

﴿وَإِنَّهُم لَيَصُدّونَهُم عَنِ السَّبيلِ وَيَحسَبونَ أَنَّهُم مُهتَدونَ﴾ (سورۃ الزخرف: 37)

"یہ شیاطین ایسے لوگوں کو راہِ راست پر آنے سے روکتے ہیں، اور وہ اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک جا رہے ہیں۔"

قیامت کے روز انسان اس شیطان سے ان الفاظ میں شکوہ کناں ہوگا:

﴿يـٰلَيتَ بَينى وَبَينَكَ بُعدَ المَشرِقَينِ﴾ (سورۃ الزخرف : 38)

"کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا بُعد ہوتا، تُو تو بدترین ساتھی نکلا۔"

جب کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں سے شیطان ڈر کر راستہ تبدیل کرلیتا تھا۔

**41۔ شیطان کو گناہگار اپنے خلاف خود مدد دیتا ہے:**

گناہ شیطان کا لشکر ہے۔ شیطان انسان کے ساتھ اس طرح ہوتا ہے جیسے خون چلتا ہے بلکہ اس پر مزید یہ کہ انسان سوتا ہے، شیطان نہیں سوتا۔ انسان غافل ہوجاتا ہے لیکن شیطان غافل نہیں ہوتا۔ انسان شیطان کو نہیں دیکھتا، البتہ شیطان اور اُس کا کنبہ اُسے وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے انسان نہیں دیکھتے۔ شیطان اللہ کے خلاف ہمیں ورغلاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت امر تو یہ ہے کہ ہماری لعنت، پھٹکار اور رحمتِ خداوندی سے دوری کا اصل سبب ہی شیطان ہے جو انسان کو جہنم کا ساتھی بنا دینا چاہتا ہے۔

ایسے میں اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندے کی مدد کرتا ہے۔ اپنے کلام مجید: قرآن سے، رسول سے... یقین و ایمان سے عقل دی، اس نے ہمیں ضمیر دیا، عقل دی، آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں کی بیش بہا نعمتیں دیں، اُن سب کے ساتھ حاملین عرش کو اُن کی پشت پر کھڑا کر دیا تاکہ وہ ان کے لیے دعاے استغفار کرتے رہیں اور اللہ اُنہیں گناہوں سے بچالے۔ یہی لوگ حزب اللہ ہیں:

﴿أُولـٰئِكَ حِزبُ اللَّهِ ۚ أَلا إِنَّ حِزبَ اللَّهِ هُمُ المُفلِحونَ﴾ (سورۃ المجادلہ:22)

"وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں خبردار رہو، اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔"

شیطان کا طریقۂ واردات یہ ہے کہ وہ نفس کو ورغلاتا ہے کہ اُمیدیں دلاؤ، وسوسے ڈالو، دل تک پہنچو۔ نگاہ کو لہو و لعب، تفریح، غفلت اور شہوات میں پھنسادو، ان کے لیے گناہ سجادو، بے پردگی، بے حجابی کو عام کر دو۔ شیطان یہ شبہ عام کرتا ہے کہ اللہ نے خوبصورت شکلیں اس لیے بنائی ہیں کہ ہم اُن کی خوبصورتی سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر کسی نیک سے پالا پڑے تو اسے وحدت الوجود اور حلول کے فلسفوں میں اُلجھادو۔

**24۔ حق اور باطل میں تمیز ختم کر دیتا ہے:** شیطان نظر کے بعد کان کے مورچے کی ناکہ بندی کرتا ہے تاکہ کسی طرح اس کے کانوں میں کوئی مفید اور نفع بخش بات نہ پہنچ سکے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے راستے میں رکاوٹیں ڈال دیتا ہے۔

**43 زبان کے مورچے کی ناکہ بندی:** زبان کو نیکیاں نہیں کرنے دیتا۔ ذکر الٰہی، استغفار توبہ، تلاوتِ قرآن، تعلیم دین، تفسیر وحدیث کو اس کی زبان پر نہ آنے دو۔ زبان پر قابو پاؤ، حق بات کہنے سے روک دو۔ حق بات کہنے سے رکنے والا شیطان کا گونگا بھائی ہے:

﴿قالَ فَبِما أَغوَيتَنى لَأَقعُدَنَّ لَهُم صِرٰطَكَ المُستَقيمَ ۝ ثُمَّ لَـٔاتِيَنَّهُم مِن بَينِ أَيديهِم وَمِن خَلفِهِم وَعَن أَيمـٰنِهِم وَعَن شَمائِلِهِم ۖ وَلا تَجِدُ أَكثَرَهُم شـٰكِرينَ﴾ (سورۃ الاعراف: 16-17)

"بولا، اچھا تو جس طرح تو نے مجھے گمراہی میں مبتلا کیا میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر۔ اِن انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا، آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے اِن کو گھیروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔"

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

«إن الشيطان قد قعد لابن آدم بطرق كلها»

"یہ حقیقت ہے کہ بنی آدم کے تمام راستوں پر شیطان بیٹھا ہوا ہے۔"

وہ اسے نیکیوں سے روکتا ہے، نماز، حج اور صدقہ سے منع کرتا ہے، نفس امارہ کو مضبوط کر دیتا ہے۔

44. گناہ گار اپنی جان کو ہی بھول جاتا ہے:

﴿وَلا تَكونوا كَالَّذينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسىٰهُم أَنفُسَهُم ۚ أُولـٰئِكَ هُمُ الفـٰسِقونَ﴾ (سورۃ الحشر: 19)

"اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے اُنہیں خود اپنا نفس بھلا دیا، یہی لوگ فاسق ہیں۔"

﴿نَسُوا اللهَ فَأَنسٰهُم﴾ ایسے لوگ اپنا نفع نقصان، فلاح وسعادت اصلاح دنیا و آخرت بھول جاتے ہیں۔ دنیا کی لذتوں اور دنیاوی فوائد کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ خسر الدنيا والآخرة دنیا اور آخرت میں خسارہ پالیا اور اپنی دنیا و آخرت برباد کرلی۔

**45۔ حال اور مستقبل کی نعمتیں ختم ہوجاتی ہیں:** موجود انعامات ختم اور مستقبل کے انعامات سے محروم ہوجاتا ہے۔ اسباب نعمت میں سے اہم ترین اطاعت وفرمانبرداری ہے۔

**46۔ فرشتوں سے دوری اور شیطان کا قربت:** بندہ جب جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ ایک میل دور چلا جاتا ہے۔سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إذا كذب العبد تباعد منه الملك ميلاً من نتن ما جاء به» (تلخیص الجبیر:39/1)

ہر شخص کا ایک فرشتہ اور شیطان ہوتا ہے۔ نیکی کرتا ہے تو یہ فرشتہ شیطان کو بھگا دیتا ہے۔ اور انسان کا مقرب بن جاتا ہے:

﴿إِنّ الّذينَ قالوا رَبُّنَا اللهُ ثُمّ استَقٰموا تَتَنَزَّلُ عَلَيهِمُ المَلٰئِكَةُ أَلّا تَخافوا وَلا تَحزَنوا وَأَبشِروا بِالجَنَّةِ الَّتى كُنتُم توعَدونَ﴾ (سورۃ فصلت: 30)

"جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا ربّ ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو، اور خوش ہو جاؤ اُس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔"

﴿إِذ يوحى رَبُّكَ إِلَى المَلٰئِكَةِ أَنّى مَعَكُم فَثَبِّتُوا الَّذينَ ءامَنوا﴾ (سورۃ الانفال: 12)

"اور وہ وقت یاد رکھو جبکہ تمہارا ربّ فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو۔"

یہ فرشتہ اس کی زبان سے سچّی باتیں نکلواتا ہے جبکہ شیطان قلب پر باطل کا القا کرتا ہے اور زبان پر بھی۔ یہ فرشتے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرح انسان کی مدافعت کرتے ہیں جب نبی کریم نے انہیں کہا تھا کہ «كان الملك يدافع عنك فلما رددت عليه جاء الشيطان فلم أكن لأجلس» (مسند البزار:8495)

جب وہ کسی مسلم بھائی کے لیے دعا کرتا ہے، فرشتہ آمین کہتا اور دعا کرتا ہے کہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اللہ نے جتنا اُسے دیا، تجھے بھی دے۔ سوتا ہے تو یہ اس کے ساتھ رات گزارتا ہے۔ شجاعت اور ہمّت پیدا کرتا ہے۔ اور اس کی حفاظت کرتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَيُرسِلُ عَلَيكُم حَفَظَةً﴾ (سورۃ الانعام:61)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلاّ وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِينُهُ مِنَ الْجِنِّ». قَالُوا وَإِيّاكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ «وَإِيّايَ إِلاّ أَنّ اللهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ فَلاَ يَأْمُرُنِي إِلاّ بِخَيْرٍ»

"تم میں سے ہر آدمی کے ساتھ ایک جن (شیطان) اور ایک فرشتہ مقرر کیا گیا ہے صحابہ نے دریافت کیا: حضرت! آپ کے ساتھ بھی ہے تو آپ نے فرمایا: میرے ساتھ بھی ہے، لیکن مجھے اللہ نے اس پر غلبہ دیا ہے، وہ میرا مطیع ہو گیا ہے، (اب) وہ مجھے صرف بھلائی کی بات کہتا ہے۔" (صحیح مسلم:7108)

**47۔ گناہ انسان کو ہلاک کر دیتا ہے:** گناہ دل کی بیماری ہے، گناہ کا مرض بڑھ جائے تو موت یقینی ہے۔ انسان کے جسم کی سلامتی تین چیزوں پر موقوف ہے:

1۔ بہترین غذا

2۔ غلط مادوں کا اخراج

3۔ مضر صحت اشیا سے پرہیز

جو حال جسم کا ہے، وہی دل کا ہے۔ دل کی زندگی کے لیے ایمان ویقین بنیاد بنتے ہیں۔ نیک اعمال اسے تقویت دیتے ہیں۔ توبہ و استغفار سے غلط مادوں کا اخراج ہوتا ہے۔ گناہ دل کی صحت کے لیے مضر ہے۔ جو آخر کار اسے ہلاک کر کے تباہ کر دیتا ہے۔ دل کی بیماری کا علاج تقویٰ سے ہی ہو گا۔

لہٰذا ابھی بھی وقت ہے، زندگی کی سانسیں چل رہی ہیں، اعضا حرکت میں ہیں، گناہوں سے کنارہ کش ہوجائیں، برائیاں چھوڑ دیں، گمراہ کن دلیلیں ترک کردیں، معاصی کا ارتکاب بند کردیں، اللہ جانے زندگی کا یہ سفر کس موڑ پر ختم ہوجائے، متحرک گھڑی کی سوئیاں جامد ہوجائیں، لہٰذا توبہ ہی نجات کا پروانہ اور اُخروی زندگی کی کامیابی کی علامت وضمانت ہے۔

اللہ کے حضور گناہوں کو چھوڑنے اور خوش بختیوں اور سعادتوں بھری زندگی کا حصول چاہنے والوں کے لئے ہاتھ اُٹھائے جائیں، تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُٹھے ہوئے ہاتھوں اور پر نم آنکھوں کی لاج رکھ کر گناہوں سے پاک وصاف کرکے، داغ دار دامن کو دھو دے گا۔ ان شاء اللہ...

اللہ تعالیٰ ہم میں آخرت کی جواب دہی کا احساس پیدا کرے اور اس دنیا میں دی گئی مہلت میں اللہ کا تابع فرمان بندہ بننے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

(کتاب 'دوائے شافی' از علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ واستفادہ)

☆☆☆

## گھانا کا ایک سفر

یہ جون 1987ء کی بات ہے!!

مجھے مشرقی افریقہ چھوڑے پورے گیارہ سال ہونے کو آرہے ہیں لیکن میں ابھی تک افریقہ کے سحر میں جکڑا ہوا ہوں۔

اپنے ہیڈ آفس دارالافتاء (ریاض) کی ہدایت کے بموجب مجھے مغربی افریقہ کے ایک سفر کی تیاری کرنا ہے۔ منزل مقصود گھانا ہے جس کے دارالسلطنت 'اَکرا' کے بعد دوسرے بڑے شہر 'کماسی' میں شیخ آدم بابا کا ایک مرکز اور مدرسہ ہے جس میں اسلامی علوم اور عربی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مجھ سے مطلوب تھا کہ وہاں آٹھ دن قیام کروں اور غلام احمد قادیانی کے خود ساختہ دین کے بارے میں طلبہ و اساتذہ کو حقائق سے روشناس کراؤں۔ گھانا، مغربی افریقہ میں وہ واحد ملک ہے جہاں قادیانی مدعی نبوت کے پیروکاروں نے اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑے رکھے ہیں۔ کماسی میں ان کا اپنا سیکنڈری اسکول ہے جہاں مسلمان بچے تعلیم کے لئے داخلہ لیتے ہیں لیکن ان کے دل و دماغ میں قادیانیت کے جراثیم کی آبیاری کی جاتی ہے اور یوں یہ اسکول قادیانیت کی ایک نرسری کی سی حیثیت رکھتا ہے۔

24 شوال 1407ھ (20 جون) کو میں سات بجے شام گھانا کی طرف محو پرواز تھا، گھانا اور برطانیہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ دونوں طول بلد کے اعتبار سے خط صفر (گرینیچ، لندن) پر واقع ہیں اور یوں دونوں کا وقت باعتبار گرینیچ یکساں ہو جاتا ہے، ہاں موسم گرما میں برطانیہ ایک گھنٹہ کا اضافہ کر دیتا ہے اس لئے نظاہر ایک گھنٹہ کا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ جہاز کا رخ اسپین کی بالائی فضا میں پرواز کرتے ہوئے بحر الروم اور پھر الجزائر کی طرف ہو جاتا ہے۔ مئی، جون، جولائی کے ان تین مہینوں میں برطانیہ ما بین 50 ڈگری تا 60 ڈگری عرض البلد میں واقع ہونے کی بنا پر لمبے دنوں کی نوید لاتا ہے۔

اب یہ تو ایک معروف بات ہے کہ شمالی کرۂ ارضی میں 21 جون کا دن سال کا طویل ترین دن ہوتا ہے اور اس دن لندن میں موسم گرما کے ٹائم ٹیبل کے مطابق سورج 9 بج کر 20 منٹ پر غروب ہوتا ہے اور سکاٹ لینڈ یعنی ملک برطانیہ کے انتہائی شمالی علاقہ میں یہ غروب 10 بجے تک پہنچ جاتا ہے، اور اس بنا پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عشاء کی نماز کس وقت ادا کی جائے؟

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شفق احمر (اور احناف کے نزدیک شفق ابیض) کے غائب ہوتے ہی مغرب کا وقت ختم اور عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

اب فلکیاتی تقسیم کے اعتبار سے خط استواء (صفر عرض البلد) سے لیکر تقریباً 48 سینٹی ڈگری عرض البلد میں واقع ممالک معتدل اوقات رکھنے والے ممالک سمجھے جاتے ہیں۔

یعنی یہاں جب سورج غروب ہونے کے بعد 18 سینٹی ڈگری نیچے آجاتا ہے تو مکمل اندھیرا چھا جاتا ہے، یعنی پہلے شفق احمر غائب ہوتی ہے اور پھر شفق ابیض اور اس کا دورانیہ کوئی ایک گھنٹہ 10 منٹ کا ہوتا ہے۔ اسے بلاد معتدلہ میں عشاء کی نماز مغرب کے سوا گھنٹے یا ڈیڑھ گھنٹے تک ادا کر لی جاتی ہے۔

لیکن 48 سینٹی ڈگری سے بالا ممالک میں شفق ابیض غائب نہیں ہوتی، یعنی سورج 18 سینٹی ڈگری سے نیچے نہیں جاتا تو پھر ساری رات افق پر ہلکی ہلکی روشنی باقی رہتی ہے، اور اس لئے عشاء کے وقت کے تعین کے لئے کئی تجاویز رکھی گئی ہے جن کی تفصیل اس موضوع سے خاص کسی تحقیقی مقالہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ کیفیت لندن میں کوئی 2 ماہ 25 مئی تا 25 جولائی) اور اسکاٹ لینڈ میں کوئی تین ماہ باقی رہتی ہے۔

میرے لیے آج کی شب 35 ہزار فٹ کی بلندی سے افق کا مشاہدہ کرنا اور وہ بھی 20 جون کی شام کو ایک نادر موقع تھا۔ ہم چونکہ معتدل علاقے پر پرواز کر رہے تھے اس لئے شفق کو بعد از غروب 20 منٹ میں غائب ہوتے دیکھا۔ اور اگلے 10 منٹ میں گھپ اندھیرا پایا۔

ہم گرینیچ ٹائم کے مطابق رات 12 بجے اَکرا کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر اتر چکے تھے۔

ایک زمانہ ہوا کہ ایام جامعہ (مدینہ منورہ) کے دوران ہندوستان کے برادر خالد کمال سے بھرپور تعارف حاصل ہو چکا تھا اور پھر یہ معلوم ہوا کہ وہ مبعوث کی حیثیت سے اکر میں متعین کیے جا چکے ہیں، میرے پاس ان سے رابطہ کرنے کے لئے کوئی نمبر نہ تھا اس لیے شہر میں 'غرناطہ ہوٹل' کی راہ لی جس کے بارے میں اسی پرواز کے ایک لبنانی مسافر سے آگاہی حاصل ہوئی تھی۔

خیال تھا کہ میں کماسی کے لیے 8 بجے صبح پرواز لوں گا لیکن ائر پورٹ پر پہنچ کر یہ معلوم ہوا کہ یہ پرواز اب

2 بجے روانہ ہو گی، چنانچہ میں نے مناسب سمجھا کہ بسوں کے اڈہ کا رُخ کروں۔ دوبارہ ٹیکسی پکڑی، بسوں کے اڈہ کی طرف ہو لئے۔ راستے میں ایک عمارت پر اسلامی مرکز ہونے کا گمان ہوا تو چاہا کہ زیارت کرتا چلوں لیکن قریب آکر معلوم ہوا کہ اس کا تعلق اہل اسلام سے نہیں، اہل قادیان سے ہے، تو پھر بسوں کے اڈے کی طرف یہ سفر جاری رکھا۔

اڈے پہنچے، ایک ہنگامہ برپا تھا، ایک بس روانگی کے لئے تیار تھی لیکن لوگوں کے ہجوم میں ٹکٹ گھر تک پہنچنا ایک کارے دارد تھا۔ سر چکرا گیا کہ کیسے ٹکٹ حاصل کروں تاکہ بس میں سوار ہو سکوں، ٹیکسی ڈرائیور نے میری مشکل آسان کر دی، وہ ایک شخص کے پاس لے گیا جس کے پاس سیٹ نمبر 33 کا ٹکٹ برائے فروخت موجود تھا۔

خیال رہے کہ گھانا کی کرنسی سیڈی CIDI کہلاتی ہے، ایک پاؤنڈ تقریباً 260 سیڈی کے برابر تھا۔ اس شخص نے ٹکٹ کی اصل قیمت سے سو سیڈی زائد لے کر پانچ سو سیڈی میں ٹکٹ میرے حوالے کیا۔ بیگ کے علیحدہ سے 250 سیڈی ادا کئے اور یوں میں اس بس میں سوار ہو سکا، جس کے سارے مسافر مقامی افریقی مرد وزن تھے۔ بس مسافروں سے بھر چکی تھی، ہر قطار میں درمیان کی راہداری میں ایک فولڈنگ سیٹ کے اضافہ کے ساتھ پانچ سیٹیں بنا دی گئی تھیں کہ جن پر 6 افراد لاد دیئے گئے تھے۔

میرا ہمسفر ایک نوجوان نکلا جس نے الازہر سے کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کی تھی اور اب کُماسی یونیورسٹی میں تعلیم کے فرائض سر انجام دے رہا تھا۔ راستے بھر اسے بات چیت ہوتی رہی۔ ڈرائیور نے ایک مسیحی پادری کی ٹیپ چلادی جو سارے راستے عیسائیت کی تبلیغ کرتا رہا، ارد گرد کا ماحول راستے کے نشیب و فراز، کھیت و کھلیان، سرسبز جنگل اور باغات کا وہ سہانا منظر پیش کر رہا تھا کہ جس کا مشاہدہ مشرقی افریقہ کے تینوں ممالک (کینیا، یوگنڈا، تنزانیا) بارہا کر چکا تھا۔

کماسی تک کا فاصلہ تقریباً 200 کلومیٹر (160 میل) کے لگ بھگ تھا، درمیان میں بس ایک جگہ رکی، جہاں ایک کیفے سے ہلکا پھلکا ناشتہ کر سکا۔

کماسی پہنچ کر پہلے تو شیخ آدم اَبیدو کے مرکز میں حاضری دی جنھوں نے میری خوب آؤ بھگت کی اور پھر ان کے بھائی مجھے اپنی گاڑی میں OLD TAFO کے اس مدرسہ میں لے گئے جو اگلے آٹھ دنوں کے لئے میرا مستقر بنا اور جہاں شیخ آدم کستناوی میرے منتظر تھے۔ انہوں نے خوش دلی کے ساتھ میرا استقبال کیا، مدرسے کے ایک کمرے میں میرے قیام کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ کوئی ساڑھے 6 بجے شام کا وقت تھا۔ مغرب کی نماز کا وقت ہو چلا تھا اور میں نے دیکھا کہ انہوں نے مغرب کے چالیس منٹ بعد ہی عشاء کی اذان دلوا دی یعنی جس شفق احمر کا میں تذکرہ کرتا آیا ہوں، بلاد معتدلہ میں اس کا یہ مناسب اظہار تھا۔

اگلے دن (22، جون) کو پہلے انگریزی زبان کے استاد جناب یوسف سے اچھی ملاقات رہی۔ معلوم ہوا کہ وہ نَو مسلم ہیں، پھر درجہ متوسطہ کے طلبہ کو علم کی اہمیت کے عنوان سے خطاب کیا جو کوئی ڈیڑھ گھنٹے جاری رہا، خطاب عربی میں تھا۔

واپسی کی سیٹ ریزرو کرانے کے لئے شہر جانا پڑا، واپسی میں شیخ آدم اَبیدو کے مرکز میں حاضری دی، جہاں تین مقامی مسیحی حضرات بھی تشریف فرما تھے۔

ان میں سے ایک صاحب نے اسلام میں سؤر کی حرمت کے بارے میں سوال کیا اور یوں اسلامی تعلیمات کے بارے میں ایک بھرپور نشست رہی۔ مغرب کے بعد اپنے مستقر واپس پہنچے، جہاں شیخ آدم کی رہائش گاہ سے متصل مصلی میں لوگ منتظر تھے۔ کوئی ایک گھنٹہ "سنت پر عمل پیرا ہونے" کے عنوان پر خطاب کیا۔ شیخ آدم ترجمانی کرتے رہے۔

**23/جون (منگل)**

مدرسے کے بچوں نے صبح پونے پانچ بجے پہلے تہجد کے لئے اور پھر فجر کے لئے اذان دی۔ نماز کے بعد چند طلبہ کے ساتھ مدرسہ ہی کے صحن میں چہل قدمی کرتا رہا۔

9 بجے کے قریب شیخ آدم کی معیت میں کوماسی کی مرکزی جیل میں جانا ہوا۔ وہ اپنے ساتھ قیدیوں کے لیے کھانا، غلہ اور کپڑے لے کر آئے تھے۔ ان کے باقی ساتھی ذرا تاخیر کے ساتھ کوئی ساڑھے گیارہ بجے پہنچ سکے، اس لیے جیل کے اندر جانے میں بھی تاخیر ہوئی۔ یہاں کوئی 12 سو قیدی پابند سلاسل ہیں۔ گورنر نے ہمیں خوش آمدید گیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے اس قول کی یاد دھانی کرائی کہ

"میں بھوکا تھا، تو تم نے مجھے کھلایا نہیں! میں پیاسا تھا اور تم نے مجھے پانی نہ پلایا۔"

انجیل کے اس قول اور انہی الفاظ میں وارد ایک حدیث قدسی میں کتنی مماثلت ہے جس میں یہ بات اللہ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی خواہش پر جیل کی عمارت سے باہر ایک گروپ فوٹو کی شکل میں اپنی آمد کو ریکارڈ کرا دیا۔ ہمیں اُس نے وہ مصلی بھی دکھایا جو مسلم قیدیوں کی نماز کے لئے بنایا گیا تھا۔

ہمارے ساتھیوں نے کچھ دیر قیدیوں سے بات چیت کی اور پھر ہم نے واپسی کی راہ لی، بعد از نماز عصر "زانگا" نامی علاقے کی مسجد اقصیٰ "میں میرا خطاب رکھا گیا تھا جہاں ایک اچھی تعداد موجود تھی۔

عنوان تھا "ختم نبوت" استاد توفیق مقامی زبان میں میری ترجمانی کرتے رہے۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹہ خطاب رہا اور پھر چند حاضرین کی طرف سے چند سوالات کئے گئے۔

ان سوالات کی نوعیت بتا رہی تھی کہ سوال کرنے

والے قادیانی افکار کی ترجمانی کر رہے تھے:
سوال یہ تھے:
1۔ آیت سورۃ الاعراف:35 ﴿يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي﴾ یعنی رسولوں کا آنا ہمیشہ باقی رہے گا۔
2۔ اگر مسیح اس وقت آسمانوں میں ہیں تو کیا وہ نبی ﷺ سے افضل نہیں؟
3۔ سفر معراج میں نبی ﷺ کی تمام انبیاء سے ملاقات ہوئی جو کہ سب فوت ہو چکے ہیں۔ مسیح علیہ السلام سے بھی ملاقات ہوئی تو کیا وہ فوت نہیں ہوئے تھے؟
4۔ دین جب نبی ﷺ کی آمد پر مکمل ہو چکا ہے تو پھر مسیح علیہ السلام سے کے دوبارہ آنے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟
میں نے ان کے سوالات کے جوابات دیئے بلکہ کافی تفصیل سے دیئے، پھر بعد نماز مغرب واپس اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔
یہاں کا ایک مقامی روزنامہ ہاتھ لگا، جس میں بتایا گیا تھا کہ ماہ مئی میں گھانا کے ایک دور افتادہ مقام پر قدیم جنگلی قبائل کا ایک جشن منایا گیا جو عیسائیت کی آمد کے بعد تقریباً ختم ہو چکا تھا لیکن اب اس کا احیاء کیا گیا۔ جشن اس بات کا تھا کہ بارش کے حصول اور فصل کی زرخیزی کے لئے اپنے خداؤں کو خوش کیا جائے۔ سب لوگ پہاڑ کی طرف چلتے گئے، نا کتخدا لڑکیوں کی کھلے سینوں کے ساتھ ایک قطار بھی شریک جشن تھی، یہ اس بات کا اعلان تھا کہ شادی کا وقت آ چکا ہے اور نوجوانوں کو دعوت عام ہے!!

**24جون (بدھ)**

کوماسی کو اس لحاظ سے یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہاں سترھویں صدی سے اشنتی قبائل کے سرداروں کی حکومت رہی ہے۔ گویا مغربی افریقہ میں وہ ایک امتیازی حیثیت کے حامل ہیں۔
شہر کے اندر ایک بڑے رقبے میں پبلک مارکیٹ ہے، جہاں ملبوسات کے ساتھ ساتھ طرح طرح کا سامان فروخت ہوتا ہے۔ خیال تھا کہ سوغات کے طور پر کچھ ملبوسات خرید تا چلوں لیکن مقامی روایات کے مطابق یہاں مرد و زن سب کے کپڑے بڑے زرق برق، رنگین اور منقش ہوتے ہیں اس لئے طبیعت کچھ خرید نے پر آمادہ نہ ہوئی۔ ہم اڈے سے متصل ایک سادہ سی مسجد پہنچے جس کے ایک طرف ریلوے لائن اور دوسری طرف نالہ ہے۔ یہاں نماز ظہر ادا کی۔ مسجد کے عقبی حصے میں ایک دیوار کے پیچھے عورتوں کا مصلی تھا۔ یہاں بعد عصر دوبارہ آنا ہوا۔ رفع مسیح ؑ (یعنی عیسیٰ ؑ کو زندہ آسمانوں تک اٹھالے جانے) کے بارے میں میری تقریر کا عنوان رکھا گیا تھا۔ حاضری بھرپور تھی۔ مسجد سے باہر بھی سامعین موجود تھے۔ میں نے سورۃ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ الزخرف کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات و علامات کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ دعوی کہ وہ ہی مسیح موعود ہیں۔ اس لحاظ سے بالکل غلط ہے کہ ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی بھی شباہت یا مماثلت نہیں پائی جاتی۔
میرا خطاب انگریزی میں تھا اور مدرسے ایک استاد جناب زکریا نے اس کا رواں ترجمہ مقامی زبان میں کیا اور یوں یہ خطاب دو گھنٹے میں تکمیل ہو پایا۔ عشاء تک واپسی ہوئی۔
آج صبح کی ایک اور مصروفیت کا بھی تذکرہ ہو تا چلے: صبح مارکیٹ کی زیارت کے بعد ہم برٹش CALADONIAN کے آفس کی تلاش میں نکلے، خیال تھا کہ واپسی کا سفر گھانا ائر لائنز سے کیا جائے لیکن وہاں سے ٹکا سا یہ جواب ملا کہ یہ کار گراں صرف ہیڈ آفس (اکرام) ہی سے انجام پا سکتا ہے اس لیے بے نیل و مرام واپس ہوئے۔

**25جون ر(جمعرات)**

بعد نماز فجر نو مسلم برادر یوسف کے ساتھ صبح کی سیر کا لطف اٹھایا۔ ہم اس راستے پر خراماں خراماں چلے جا رہے تھے جو METHODIST فرقے کی عبادت گاہ کی طرف جا رہا تھا۔ یہ علاقہ گویا ایک جنگل تھا اور ہم ایک پگڈنڈی پر چل رہے تھے، کہیں کہیں کوئی گھر یا جھونپڑا نمودار ہو جاتا، ہم کنیسہ تک پہنچ گئے، عمارت کے سامنے ایک میدان کے درمیان بڑی سی صلیب نصب تھی، جہاں لوگ دعائیہ تقریب کے لئے جمع ہوتے تھے۔ ایک طرف گھاس پھونس، ٹہنیوں اور ڈنڈوں سے ایک استراحت گاہ بنائی گئی تھی، جہاں لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی اور دوسری طرف افریقی پادری کی اپنی رہائش گاہ تھی۔
10 بجے کے قریب شیخ آدم ابیدو کے مرکز میں طلبہ ہمارے منتظر تھے۔"قرآن کے تعارف" کے موضوع پر انگریزی میں خطاب کیا، جس میں قرآن کی بحیثیت ہدایت اور تذکیر (یاد دھانی) کے دونوں پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا تھا۔ طلبہ نے بعد از خطاب تالیوں سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تو شیخ آدم بابا نے انہیں سنت کی روشنی میں پسندیدگی کے اظہار کا صحیح طریقہ بتایا۔
بعد نماز عصر KANTUDO نامی محلے کی ایک مسجد میں میرا خطاب رکھا گیا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی، جس میں 60 آدمی سماسکتے تھے لیکن لاؤڈ اسپیکر کی بدولت مسجد کے باہر بھی خطاب کی سماعت کر رہے تھے۔ میں نے دعا کے موضوع پر خطاب کیا، سورۃ یونس کی آیت ﴿هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ مرکزی موضوع تھا کہ تنگی ہو یا فراخی صرف اللہ ہی سے دعا مانگنی چاہیے۔
یہ خطاب مغرب کے بعد بھی جاری رہا اور پھر عشاء کی نماز کے بعد ہم اپنے مستقر پر واپس پہنچے، آج صبح میں نے ایک تقریر بھی ریکارڈ کروادی جس میں ختم نبوت سے متعلق احادیث کا بیان تھا اور قادیانی تاویلات کا رد کیا گیا تھا۔ (جاری ہے)

کتاب بارہ مسائل کے مولف نے باوجود شیخ الحدیث والتفسیر، جیسے اہم القاب سے ملقب ہونے کے عوام کو صحیح احادیث سے متنفر کرنے کے لئے جس طرح دروغ گوئی اور مغالطہ انگیزی سے کام لیا ہے، وہ اس کے گزشتہ اقتباس ہی سے واضح ہو گیا ہے تاہم ہم مزید وضاحت کے اس کی آئندہ گفتگو پر بھی، جو محض مغالطہ انگیزی اور مسخ حقائق پر مبنی ہے، ضروری گزارشات پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ حجت پوری طرح قائم ہو جائے اور ﴿ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنۢ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنۢ بَيِّنَةٍ ﴾ (الانفال) تاکہ جو ہلاک ہو وہ حجت (قائم ہونے) سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے (حق پہچان کر) زندہ رہے۔

لیجئے ملاحظہ فرمایئے پہلے مولف مذکور کی افسانہ طرازی یا فسوں سازی۔ لکھتے ہیں :

اسی طرح ماہرین علم حدیث کی بھی دو قسمیں ہیں: محدثین اور مجتہدین۔ محدثین کی مہارت اور ان کی تحقیق کا دائرہ حدیث کی اسناد اور الفاظ تک محدود ہے۔ یعنی وہ رواۃ حدیث کے تاریخی حالات کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے سند کا درجہ متعین کرتے ہیں کہ یہ سند موضوع ہے یا غیر موضوع، صحیح ہے یا غیر صحیح ـــ جب کہ مجتہدین کی تحقیق کا دائرہ اس سے وسیع تر ہے، وہ پانچ امور کی تحقیق کرتے ہیں :

1۔ ثبوت وعدم ثبوت یعنی بنیادی طور پر یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں۔

2۔ احادیث کے معانی کی تشریح و توضیح۔

3۔ حدیث معمول بہ ہے یا غیر معمول بہ؟ درجہ عمل میں متروک ہے یا غیر متروک۔

4۔ حدیث سے ثابت شدہ حکم کی شرعی حیثیت کا تعین، یعنی وہ فرض ہے یا واجب؟ سنت ہے یا مستحب؟ مباح ہے یا مکروہ؟ مکروہ تنزیہی ہے یا مکروہ تحریمی؟ یا حرام؟

5۔ اس حدیث سے متعارض دوسری احادیث کے تعارض و تضاد کو دور کرنا۔

ان امور خمسہ کی تحقیق کے لئے ہر مجتہد کے اپنے اپنے اصول ہیں۔ ہمارے امام و مجتہد سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ نے ان امور کی تحقیق کے لئے اسناد کے ساتھ آثار صحابہ کو بھی بنیاد بنایا ہے۔ البتہ آثار صحابہ نہ ملنے کی صورت میں انہوں نے کتاب و سنت سے ماخوذ اپنے اجتہادی اصولوں سے اور خداداد فقاہت، فقہی مہارت اور نہایت اعلی درجہ کی اجتہادی صلاحیت سے بھی کام لیا ہے۔ پھر امام اعظم کے تلامذہ اور مابعد کے دیگر فقہاء حنفیہ نے آثار تابعین و تبع تابعین کو بھی شامل کر لیا۔ پس امام اعظم اور ان کے ارشد تلامذہ امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ کی تحقیق کے مطابق شرعی احکامات سے متعلق جو معمول بہا احادیث تھیں اور ان سے جو احکامات شرعیہ ثابت ہوتے تھے، ان احکامات کو انہوں نے حسن ترتیب کے ساتھ کتاب الطہارۃ سے لے کر کتاب المیراث تک ابواب وار جمع کر دیا ہے، احکامات شرعیہ کے اسی مجموعے کو فقہ کہا جاتا ہے (ص 8-9)

یہ طویل اقتباس غلط در غلط مجموعہ اغالیط بھی ہے اور تضادات کا شاہکار بھی۔

**اولاً** ماہرین علم حدیث کو دو قسموں میں تقسیم کرنا، یکسر خلاف واقعہ ہے۔ علم حدیث کے ماہر صرف محدثین ہیں، موصوف کے جو معہود ذہنی مجتہدین ہیں، ان کو علم حدیث میں مہارت تو کجا، علم حدیث سے کوئی لگاؤ ہی نہیں تھا، اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

**ثانیاً** ، محدثین کی بابت کہنا کہ وہ اپنے اجتہاد سے سند کا درجہ متعین کرتے تھے، غلط ہے۔ حدیث کا درجہ متعین کرنے میں بنیادی چیز رواۃ کے حالات اور اس کی روشنی میں تحقیق حدیث کے دیگر اصول و ضوابط ہیں اور اس کے لئے محدثین نے اسماء الرجال اور اصول حدیث اور ان سے متعلق دسیوں قسم کے علوم و ضوابط کو مرتب کرنے کا ایسا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا، جو انسانی تاریخ میں بے مثال ہے اور ان علوم حدیث کی تدوین و ترتیب کے شرف و اعزاز میں جس طرح ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں، اسی طرح احادیث کے نقد و تحقیق میں ان اصول و ضوابط کے استعمال میں بھی وہ لا شریک لھم فی ہذا کے مصداق ہیں۔ اس میں انہوں نے اپنی ذاتی پسند و ناپسند کو یا حزبی تعصب کو شامل نہیں ہونے دیا، نہ اس میں ان کے اجتہاد ہی کو کوئی دخل ہے۔ اس کا تعلق صرف اور صرف علم حدیث یعنی فن اسماء الرجال اور تحقیق حدیث کے اصول و ضوابط سے ہے۔

**ثالثاً** : مجتہدین کے دائرہ تحقیق میں مذکورہ پانچ امور کو شامل بتلانا، محض افسانہ طرازی ہے جیسے یہ کہنا کہ مجتہدین پہلے یہ تحقیق کرتے تھے کہ یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں ؟ یکسر خلاف واقعہ ہے۔ یہ کام صرف محدثین نے کیا ہے یا ان مجتہدین نے جو فقہ و حدیث کے جامع تھے جیسے امام ابن تیمیہ، امام ابن القیم، حافظ ابن حزم، حافظ ابن حجر، امام شوکانی و امثالھم۔ علاوہ ازیں آئمہ حدیث بھی، جنہوں نے جمع و تدوین حدیث کا کام کیا، فقہ و حدیث کے جامع تھے

مولف موصوف کے پیش نظر جو فقہائے احناف ہیں، امام ابو حنیفہ اور ان کے ارشد تلامذہ سمیت اور انکے بعد کے فقہاء کسی نے بھی تحقیق حدیث کا کوئی کام نہیں کیا، تحقیق حدیث کو انہوں نے کبھی اہمیت ہی نہیں دی یہی وجہ ہے کہ انکے فقہی اجتہادات میں اول تو احادیث کا ذکر ہی نہیں ہوتا، یا احادیث کے نام سے ایسے اقوال کا ذکر ہوتا ہے جن کا حدیث رسول ہونا ثابت ہی نہیں، حتی کہ بعض جگہ موضوع احادیث بھی ان کا مدار استدلال ہیں۔

اگر امام ابو حنیفہ اور ان کے ارشد تلامذہ نے تحقیق حدیث کا کام کیا ہوتا اور اس کی بنیاد پر اجتہادی اصول وضع کئے ہوتے جیسا کہ مذکورہ اقتباس میں دعوی کیا گیا ہے تو وہ اجتہادی اصول ان مذکورہ آئمہ کی کتابوں میں ہونے چاہیے تھے جب کہ ایسا نہیں ہے، یہ اجتہادی اصول ان کی کسی کتاب میں نہیں ہیں۔

دوسرے امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ خاص (امام محمد و امام ابو یوسف) کے اجتہادات اور فقہی مسائل میں باہم اختلاف نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن ایسا بھی نہیں ہے، ان دونوں شاگردوں نے جن کو صاحبین کہا جاتا ہے اپنے استاذ امام ابو حنیفہ سے بہت زیادہ اختلاف کیا ہے یعنی دو تہائی مسائل میں صاحبین کا اپنے استاذ سے اختلاف ہے۔ اور اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ وہ بھی صاحبین کے طرز عمل سے واضح ہو جاتی ہے اور وہ ہے: ان حضرات کو امام صاحب سے زیادہ حدیثیں مل جانا۔ ان کو احادیث ملتی گئیں اور یہ اپنے امام کی رائے چھوڑتے چلے گئے۔ امام صاحب کو احادیث کم ملیں، کیونکہ ان کے دور تک احادیث مرتب و مدون نہیں ہوئی تھیں، اس لئے وہ عند اللہ معذور و ماجور ہوں گے۔ جیسے وقف کے متعلق متفق علیہ حدیث ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ (لا یباع اصلھا ولا یوھب ولا یورث۔ بخاری: 2772)

وقف نہ فروخت کیا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ ورثے میں تقسیم کیا جائے۔، لیکن امام ابو حنیفہ کو اس حدیث کا علم نہیں ہو سکا، اس لئے ان کا مسلک یہ بیان کیا گیا ہے کہ وقف کا فروخت کرنا جائز ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں: لو بلغه هذا الحديث لقال به ورجع عن بيع الوقف۔ (سبل السلام شرح بلوغ المرام۔ ج3 ص86)۔ اگر امام ابو حنیفہ کو یہ حدیث مل جاتی تو اس کے مطابق ہی موقف اختیار کرتے اور بیع وقف کے مسلک سے رجوع کر لیتے۔

قاضی صدر الدین ابن ابی العز حنفی لکھتے ہیں:

وقد قال أبويوسف لما رجع عن قوله في مقدار الصاع و عن صدقه الخضروات و غيرها ، لو رأى صاحبي مارأيت لرجع كما ر جعت (الاتباع۔ ص28۔ المکتبۃ السلفیہ لاہور)

جب ابو یوسف نے صاع کی مقدار اور سبزیوں میں زکاۃ وغیرہ مسائل میں رجوع کر لیا تو فرمایا: اگر میرے استاد کے علم میں بھی وہ چیز آجاتی جو میری علم میں آئی تو وہ بھی اسی طرح رجوع کر لیتے جیسے میں نے رجوع کر لیا۔

ان دو مثالوں سے ایک بات تو یہ واضح ہوتی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنے تلامذہ کی تربیت ایسے انداز میں فرمائی کہ قرآن و حدیث کے نصوص کا احترام اور ان کا تسلیم کرنا ضروری ہے اور یوں فقہی جمود سے بچنے کا درس ان کو دیا۔ دوسرے بارہ مسائل کے مولف کی افسانہ طرازی واضح ہو گئی جو انہوں نے یہ کہہ کر کی ہے کہ انہوں نے اجتہادی اصولوں کے ذریعے سے فقہ مرتب کی۔ ایسے کوئی اصول نہ امام صاحب نے بنائے، نہ ان کے تلامذہ نے بنائے۔ علاوہ ازیں ان کو ایسے اصول بنانے کی ضرورت بھی نہیں تھی اس لئے کہ وہ تو احادیث کو رد کرنے والے ہی نہ تھے۔ یہ اصول تو ان کے بہت بعد اس وقت بنائے گئے جب تقلیدی جمود اتنا زیادہ ہو گیا کہ احادیث صحیحہ سے گریز وانحراف ان کی ضرورت بن گیا۔

بہر حال مولف موصوف نے جو امور خمسہ بیان کئے ہیں ان میں پہلی بات ثبوت و عدم ثبوت والی ہے اصل ہے۔ یہ کام فقہاء نے قطعاً نہیں کیا ہے صرف محدثین نے کیا ہے اور ان کے فکر و عمل کے وارث اہل حدیث کے علمائے محققین کے ذریعے سے یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

2۔ احادیث کے معانی کی تشریح و توضیح کا اعزاز بھی محدثین اور ان کے وارثین ہی کو حاصل ہے، دوسرے حضرات تو تشریح و توضیح کے نام سے بالعموم تاویلات رکیکہ اور توجیہات بعیدہ کرتے ہیں تاکہ ان احادیث سے فقہ کے خود ساختہ مسائل کا کسی نہ کسی طریقے سے اثبات کیا جا سکے۔

3۔ یہ تیسری شق کہ حدیث معمول بہ ہے یا غیر معمول بہ؟ درجہ عمل میں متروک ہے یا غیر متروک؟ حدیث کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا نہایت شوخ چشمانہ جسارت ہے، ثابت شدہ صحیح حدیث ہر صورت میں قابل عمل ہے، کسی علاقے کے لوگ یا کسی فقہ کے پیروکار اس پر عمل نہیں کرتے یا کرنا نہیں چاہتے تو شرعاً ان کو یہ حق حاصل نہیں ہے، یہ اطاعت رسول سے سراسر انحراف ہے جسکو اللہ نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے:

﴿مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء)

جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے یقینا اللہ کی اطاعت کی۔

چوتھی اور پانچویں شق، چوتھی شق، حدیث سے ثابت شدہ حکم کی شرعی حیثیت کا تعین یعنی وہ فرض ہے یا واجب، سنت ہے یا مستحب مکروہ ہے یا مباح مکروہ تنزیہی ہے یا مکروہ تحریمی، یا حرام؟ اس پر بھی (فی الحال فرض و واجب کی خود ساختہ اصطلاحات سے قطع نظر) صرف محدثین ہی نے صحیح معنوں میں عمل کیا ہے اور یہ بھی انہی کا میدان ہے، اور اس کے تقاضے بھی انہوں نے پوری دیانت داری سے ادا کئے ہیں۔